فلسفہ تصوف اسلامی

شیخ اکبر ابن عربی و مولانا جلال الدین رومی

موسیٰ خان جلال زئی

اللہ احد

Marfat.com

فلسفہ تصوف اسلامی

(شیخ اکبر ابن عربیؒ و مولانا رومیؒ)

موسیٰ خان جلال زئی

خان بک کمپنی

25 سی لوئر مال لاہور فون : 7325463

Marfat.com

جملہ حقوق بحق خان بک کمپنی محفوظ ہیں۔
83752

اس کتاب یا اس کتاب کا کوئی حصہ کسی بھی صورت میں پبلشر کی اجازت کے بغیر شائع یا جمع نہیں کیا جا سکتا اس کی خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف سخت قانونی چارہ جوئی کی جائیگی۔

اشاعت اوّل	جون 2001
ناشر	میاں منظور حسین/محمد اسلم خان شاد
مصنف	موسیٰ خاں جلالزئی
کمپوزر	فکشن کمپوزنگ سنٹر لاہور
تعداد	500
پرنٹر	عروج پرنٹرز
قیمت	350 روپے

خان بک کمپنی 25/C-3 لوئر مال لاہور
فون نمبر 7325463

Marfat.com

انتساب

خان جہان خان جلالزئی

محمد ہاشم خان جلالزئی

شہریار خان جلالزئی

راحینہ خان جلالزئی

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

سرآغاز		ڈاکٹر یونس خان ایڈووکیٹ	7
پہلا باب	:	تصوف، علم تصوف اور صوفیائے کرام	13
		اصول تصوف	23
دوسرا باب	:	اسلامی تصوف کا ماخذ اور اس کی بنیاد	26
		بایزید بسطامی	43
تیسرا باب	:	مختلف مشاہدات و احوال	47
چوتھا باب	:	تصوف امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ	59
		امام اشعری رحمتہ اللہ علیہ	61
		خواجہ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ	63
		حمد باری تعالیٰ از عطار نیشاپوری	67
		عطار نیشاپوری کا نعتیہ کلام	74
پانچواں باب	:	شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے حالات زندگی اور تصانیف	58
		ابن عربیؒ اور علم و معرفت	92
		ابن عربیؒ کے تصوف میں وحدت الوجود کا بیان	97
چھٹا باب	:	مولانا جلال الدین رومیؒ : حیات و افکار	103
		مولانا جلال الدین رومیؒ اور مثنوی رومی	108
		رومی کا تصور عشق	113
ساتواں باب		رومی اور جبروقدر کی حقیقت	130
		صورت و معنی	134

Marfat.com

	حقیقت، وحدت اور کثرت	137
	عشق اور شوق	140
آٹھواں باب :	شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ	162
نواں باب :	مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ	168
دسواں باب :	علامہ محمد اقبال اور ان کا فلسفہ تصوف	176
	علامہ محمد اقبال اور امام غزالی (ڈاکٹر صدیق شبلی)	182
گیارہواں باب :	اقبال اور رومی کی نظر میں انسان کامل کا تصور	195
بارہواں باب :	حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ	205
	حضرت خواجہ عبدالواحد زیدؒ	210
	حضرت ابوعلی الفضیل ابن عیاضؒ	211
	حضرت حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ	214
	حضرت ابو عثمان داؤد بن نصرالطائیؒ	215
	خواجہ ابواسحاق چشتی رحمتہ اللہ علیہ	218
	حضرت خواجہ ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ	220
	حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ	221
	حضرت خواجہ شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ	225
	حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ	226
	حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ	227
	حضرت جنید بغدادیؒ	229
	حضرت جنیدؒ کا تصوف	234
	حضرت جنید بغدادی کا نظریہ توحید	238
	حوالہ جات ابتدائیہ	242
	کتابیات ابواب متعلقہ	243
	حوالہ جات	248

Marfat.com

سرآغاز

اسلامی تصوف کو ہر دور میں اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ یہ وہ فلسفہ ہے جس میں تخلیق کائنات سے لے کر روز قیامت تک کے مسائل پر انتہائی ماہرانہ انداز میں بحث ہوتی ہے۔ تصوف یا سریت کیا ہے؟ اس موضوع پر بہت سے ماہرین نے مدلل بحث کی ہے اور مختلف حوالوں سے اسکی وضاحت کی گئی ہے۔ پروفیسر لطیف اللہ نے اپنی کتاب تصوف اور سریت میں دائرۃ المعارف برطانیہ کے حوالے سے اس فلسفی کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

سریت فکر بلکہ اساس کا ایسا رخ ہے جو اپنی مخصوص نوعیت میں واضح طور پر مشکل ہی سے قابل فہم تعریف کی گرفت میں آ سکتا ہے۔ اس کا اظہار انسانی ذہن کی اس سعی کے سلسلے میں ہوتا ہے کہ وہ ذات الٰہی کی ماہیت یا اشیا کی حقیقت کی فہم حاصل کرے اور ذات عزوجل کے اتصال کی برکات سے لطف اندوز ہو۔ سریت کا ایک پہلو فلسفیانہ اور دوسرا مذہبی ہے۔ اس کے لئے (یعنی ایک سری کے لئے) ذات الٰہی کی معروضی حیثیت باقی نہیں رہتی بلکہ ایک تجربہ بن جاتی ہے۔

اس اتحاد کی قربت کی وضاحت کے لئے اہل سریت کی تصانیف میں جو اصطلاحات وضع کی گئی ہیں ان میں صلاحیت فہم قطعی طور پر کام نہیں کرتی۔ اس اعتبار سے سریت سیدھے سادے نظریہ وحدۃ الوجود سے مختلف ہے۔ اگرچہ اس کا حقیقی مقصد مذہبی ہی ہے۔ اتحاد (ذات الٰہی ہے) جس مذہبی تعلیم کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بندے کے ارادے کی سپردگی کا اظہار ہے' گویا بندے کی تمام زندگی کی اخلاقی یک سوئی انفعالی تجربے کی صورت میں گم ہو جاتی ہے۔ یہ انفعالی تجربہ کچھ اس طرح کا ہے جو کبھی پیدا ہوتا ہے اور کبھی فنا ہو جاتا ہے اور ایک لمحے سے زیادہ نہیں ہوتا۔

Marfat.com

اپنی کتاب کے صفحہ 73 پر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

دائرۃ المعارف مذہب و اخلاقیات میں جو تصریح کی گئی ہے اسے بھی ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

"سریت عام بول چال میں ایسا لفظ ہے جس کا مفہوم متعین نہیں ہے۔ موجودہ دور میں اس کا استعمال جرمن زبان کے دو قطعی مختلف مفہوم رکھنے والے الفاظ (Mystik) اور (Mystizismus) کے مراوف لفظ کے طور پر کیا گیا ہے۔

تصوف فوق فطرت مسلک تھیاسوفی کے نصب العین اور نفسی تحقیق کے روحانی استفادے کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ Mystik خدا اور بندے کے درمیان تعلق و ارتباط کے فوری تجربے سے مفہوم ہے۔ اس کے علاوہ Mysticism کا لفظ عام طور پر مندرجہ ذیل دو مطالب کے لئے استعمال ہوا ہے۔

1- ذات الٰہی سے ارتباط کا براہ راست تجربہ۔

2- حقیقت متعلقہ یعنی ذات الٰہی سے روح کے ممکنہ اتصال کا مابعد الطبیعی نظریہ۔

اس کے علاوہ دائرۃ المعارف فلسفہ میں بھی اس عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا گیا ہے۔ جس کے ضروری اقتباسات کا ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:

"سری تجربہ بڑی حد تک مذہبی تجربے ہی کی ایک صورت ہے لیکن دو خاص وجوہ سے سریت کی کوئی سادہ سی تعریف بیان کرنا مشکل مرحلہ ہے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اہل سریت اپنی واردات جزوی طور پر ان عقاید کی مخصوص اصطلاحات میں بیان کرتے ہیں جو ان کے مفروضے میں قطعی طور پر حامل صداقت ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سریت سے متعلق عقیدوں کا ایک نظام ایسا بھی نہیں جس میں یکسانیت موجود ہو۔

اس کے برعکس قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی کتاب (الاحسان و التقریب) میں لکھتے ہیں:

بدان اسعدک اللہ تعالیٰ ایں ہم کہ گفتہ شد صورت ایمان و اسلام و شریعت است و مغز و حقیقت آں در خدمت درویشان باید جست و خیال نباید کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ ایں سخن جہل و کفراست بلکہ ہمیں شریعت است کہ در خدمت درویشان رنگ دیگر پیدا می کند چوں قلب از تعلق جسمی و علمی کہ بما سوائے

Marfat.com

اللہ داشت پاک شود و رزائیل نفس بر طرف گشتہ نفس مطمنہ شود و اخلاص بہم رساند و در رکعت اور بہتر از لک رکعت دیگراں باشد۔

جب قلب' جسمانی اور علمی تعلق سے جو ماسواللہ سے وابستہ ہے پاک ہو جاتا ہے اور نفسیاتی برائیاں دور ہو جاتی ہیں تو وہ نفس مطمنہ بن جاتا ہے اور اس میں خلوص و اخلاص پیدا ہو جاتا ہے اس کی دو ر رکعتیں دوسروں کی ایک لاکھ رکعتوں سے بہتر ہو جاتی ہے اور یہی حال اس کے روزے اور صدق کا ہو جاتا ہے۔

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب غنیتہ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ متصوف وہ ہے جو صوفی بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اپنی مشقت سے صوفی بنتا ہے اور صوفیانہ لباس پہنتا ہے اسی لئے وہ متصوف کہلاتا ہے جیسے قمیض پہننے کے لئے لفظ قمیض اور دراعہ پہننے کے لئے لفظ تدررعہ بولتے ہیں اسی طرح جو شخص زہد میں آیا اس کو متزحد کہتے ہیں۔ جب وہ اپنے زہد میں منتہی ہوا تو سب چیزیں اس کی دشمن ہو گئیں اور وہ ان سے فانی ہوا پس ہر ایک نے اپنے یار کو چھوڑ دیا اس وقت وہ شخص زاہد کہلاتا ہے اور اس کے لئے بے خواہش ہر چیز موجود ہوتی ہے ان چیزوں سے نہ اسے محبت ہوتی ہے نہ بغض بلکہ خدائے تعالٰی کی فرماں برداری اور اس میں فعل خدا کا انتظار کرتا ہے۔ اس کو متصوف کہتے ہیں۔

مقلات تصوف کے مصنف مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی نے لکھا ہے کہ تصوف وہ علم ہے جس میں ذات و صفات باری تعالٰی کی نسبت بحث ہوتی ہے جس سے تزکیہ و تصفیہ باطن ہو۔

مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی آگے چل کر لکھتے ہیں۔

مرتبہ تحقیق و معرفت جو درحقیقت تصوف کی غرض و غایت ہے وہ بجز تزکیہ و تصفیہ نفس کے حاصل نہیں ہو سکتا اور تصفیہ و تزکیہ شریعت کی پابندی کے بغیر غیر ممکن ہے یعنی آدمی ورع و تقویٰ میں یہاں تک استقامت پیدا کرے رخصت سے تجاوز کر جائے سالک جب اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے تو اس پُراسرار احوال منکشف ہونے لگتے ہیں اور یہ طریقہ عین منشاء شریعت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

سید احمد عروج قادری نے ابو قاسم جنید محمد کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔

Marfat.com

"جس شخص نے قرآن وحدیث کے احکام نہیں سمجھے اور ان کا علم حاصل نہیں کیا' تصوف میں اس کی اقتدا نہیں کی جا سکتی کیونکہ ہمارا یہ علم (تصوف) کتاب و سنت سے مقید ہے اور اجماع و قیاس کا مرجع بھی یہی دونوں ہیں۔

ابو علی روزباری جندیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارا یہ مذہب (تصوف) اصول یعنی کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے پہلے قول میں "علم" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور دوسرے میں "مذہب" کا۔ پہلے لفظ سے اشارہ صحت علم کی طرف ہے اور دوسرے لفظ کا اشارہ صحت سلوک کی طرف۔ اس سے معلوم ہوا کہ صوفیہ کسی وقت بھی اپنے علم و عمل میں کتاب و سنت سے مستغنی نہیں ہیں اس قول میں اور اس سے پہلے کے قول میں اس شخص کی تردید ہے جو راہ سلوک میں اپنے "واردات قلبی" پر اعتماد کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور سچے ہیں' وہ انہیں کتاب و سنت پر تولنے سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھتا ہے اور یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ سید مصطفیٰ عروسی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت جنیدؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ طالب سلوک کے لئے شرط یہ ہے کہ علماء سے شریعت مطہرہ کے احکام کا علم حاصل کرکے اس پر عمل کرے اس کے بعد اس راہ میں اس کی رہبری درست ہو سکتی ہے اور جو شخص اس کے بغیر اللہ تک پہنچ جانے کا مدعی ہو وہ بدعتی ہے' نہ اس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور نہ اس کی کسی بات پر اعتماد صحیح ہو گا۔

"علم تصوف دائرہ کتاب و سنت کے اندر ہے۔" اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ علم تصوف کتاب و سنت سے حاصل کیا جائے گا اور اسی کے مطابق عمل ہو گا اور جو شخص علماً و عملاً اس سے خارج ہو وہ زندیق (بے دین) ہے۔ ابوحمزہ بغدادی کا حوالہ دیتے آگے چل کر لکھتے ہیں۔

جو راہ خدا کا علم رکھتا ہے اس پر اس راہ کی رہروی آسان ہو جاتی ہے اور اللہ تک پہنچانے والے راستے کا رہنما بغیر متابعت رسولؐ کوئی اور نہیں ہے' متابعت آپ کے احوال' افعال اور اقوال سب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

Marfat.com

ابو اسحاق ابراہیم بن داؤد رقی (م 326ھ) کہتے ہیں:

محبت الٰہی کی علامت اس کی جماعت کو ترجیح دینا اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا ہے اس لئے کہ متابعت' محبت کا ثمرہ ہے۔ جو شخص کسی سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس کی پیروی نہیں کرتا وہ اس کی محبت میں جھوٹا ہے۔ رقیؒ نے یہ بھی کہا ہے ہر انسان کی قیمت اس کی ہمت کے مطابق ہوتی ہے۔

احوال و مقامات کا ذکر کرتے ہوئے سید عروج احمد قادری نے اپنی کتاب (اسلامی تصوف) میں لکھا ہے

کتب تصوف میں "مقام" اور "حال" کی متعدد تعریفیں اور تشریحیں کی گئیں ہیں' ان سب کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ "مقام" اس مستقل کیفیت کو کہتے ہیں جو بندگی رب میں سرگرمی اور جدوجہد کی وجہ سے انسان کی صفت راسخہ بن جاتی ہے۔ پھر وہ اس سے کسی اونچے مقام پر ترقی کرتا ہے اور "حال" اس غیر مستقل کیفیت کا نام ہے جو مختلف اوقات میں انسان پر طاری ہوا کرتی ہے۔ مثلاً "توکل " مقام ہے اور "گریہ و بکا" حال ہے' توکل ایسی کیفیت ہے جو ہمیشہ قائم رہتی ہے اور گریہ ایسی کیفیت ہے جو کبھی کبھی طاری ہوتی ہے اور بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ "حال" "مقام" کی ابتدائی کیفیت نام ہے وہی کیفیت جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو " مقام" بن جاتی ہے۔ صوفیہ نے اپنے اپنے علم و فہم اور ذوق کے مطابق "احوال و مقامات" کی تعین کی ہے۔ اور انہیں ترتیب کے ساتھ بیان کرکے اس کی تشریحیں کی ہیں' اسی لئے تعین و ترتیب میں بھی فرق ہوا ہے اور ان کی تعداد میں بھی۔

جس کتاب کا آپ مطالعہ کر رہے ہیں اسے معروف سکالر/ مصنف اور نامور صحافی موسیٰ خان جلالزئی نے طویل تحقیق کے بعد لکھی ہے اور اس میں ان موضوعات پر بحث کی گئی ہے جن پر اس سے قبل بہت کم لکھا گیا ہے۔

موسیٰ خان جلالزئی نے اس سے قبل بھی تصوف پر چار کتب لکھی ہیں جبکہ اندریو ہاروی کی کتاب (The Way of Passion) جو کہ مولانا جلال الدین رومی بلخی کی تصوف پر بلند پایہ کتاب تسلیم کی جاتی ہے اس کا ترجمہ انہوں نے انگریزی زبان سے اردو زبان میں کر دیا ہے۔ اس کتاب کو پاکستان بھر میں مقبولیت حاصل ہے۔ یہ کتاب

Marfat.com

علم و عرفان پبلشرز اردو بازار نے شائع کی ہے۔

موسیٰ خان جلالزئی نے افغانستان وسطی ایشیا اور پاکستان کے علاوہ فرقہ وارانہ تشدد اور دہشت گردی پر 150 کتب لکھی ہیں مصنف کو دس غیر ملکی زبانوں پر عبور حاصل ہے اور اس وقت چار زبانوں میں لکھتے ہیں۔ طالبان پر ان کے دو کتب مارکیٹ میں آ گئیں ہیں ایک انگریزی میں اور دوسری اردو میں طالبان پر احمد رشید کی کتاب کا اردو ترجمہ بھی موسیٰ خان جلالزئی نے کیا ہے جبکہ ترجمہ کے دوران میں مذکورہ کتاب کا مسودہ کی اصلاح کرتا رہا ہوں۔ لیکن پبلشرز نے بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تعصب کی بنا پر موسیٰ خان جلالزئی کا نام حذف کرکے کسی اور کے نام سے شائع کی ہے جو کہ سراسر ظلم و زیادتی ہے۔

موسیٰ خان جلالزئی نے این جی اوز اور منشیات کی سمگلنگ پر بھی تحقیقی کتابیں لکھی ہیں جو کہ فیروز سنز نے شائع کی ہیں۔ پاکستان کے لئے موسیٰ خان جلالزئی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ایک پاکستان دوست مصنف ہے۔

ڈاکٹر یونس خان ایڈووکیٹ

4- مزنگ روڈ لاہور

مئی 2001ء

Marfat.com

پہلا باب

تصوف، علم تصوف اور صوفیائے کرام

تعریف تصوف

تصوف وہ علم ہے جس میں ذات و صفات باری تعالیٰ کے بارے میں بحث ہوتی ہے اور اعمال و اشغال کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن سے تزکیہ و تصفیہ باطن ہو جو حصول الی اللہ کا ذریعہ ہے یا یوں سمجھو کہ تصوف قرآن و حدیث سے نکلی ہوئی ایسی شاہراہ ہے۔ جو افراط و تفریط کے عین درمیان واقع ہے۔ جسے صراط مستقیم کہا جاتا ہے اور اس پر چلنے سے انسان خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ لفظ تصوف' اشتقاق میں مختلف اقوال ہیں بعض نے اس کو لفظ تصوف سے مشتق بتایا ہے۔ جس کی رو سے صوفی صوف پوش کو کہتے ہیں۔ مگر صرف صوف پوش ہونا نہیں۔ بلکہ اہل تصوف کے خیال میں ظاہری و باطنی آداب سے آراستہ ہونے کا نام تصوف ہے۔ بعض بزرگان دین مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام غزالی نے لفظ تصوف کو حنا سے مشتق قرار دیا ہے۔ پس صوفی باب مفاعلت سے صیغہ ماضی مجہول صوفی ہو گا جو کثرت استعمال سے یا ساکن کے ساتھ صوفی پڑھا جاتا ہے یعنی صوفی دراصل فوعل کا وزن ہے۔ اور مصافات سے مشفق ہے جس کا مطلب ہے کہ صوفی وہ شخص ہے جس کو حق تعالیٰ نے صاف کر لیا ہو۔ یعنی جو شخص نفس صوفیت یا اسلامی تصوف جو تیسری صدی ہجری کے دوران نمایاں ہوتا ہے۔ ایک حد تک یونانی اثرات کا نتیجہ تھا اور اس کا ابن سینا کے زمانہ کے فلاسفہ اور اس کے متاخرین پر بے حد اثر ہوا ہے۔ لفظ صوفی صوف یعنی اون سے ماخوذ ہے' اور اس طرح سے اس کے معنی اونی لباس پہنے ہوئے شخص کے ہیں۔ اس طرح سے لفظ صوفی کے معنی ایسے شخص کے ہو گئے جو سادہ سے سادہ قسم کا لباس اختیار کرتا ہے۔ اور ہر قسم کے عیش و عشرت یا نمائش سے بچتا ہے۔ یہ امر کہ اس لفظ کے یہ معنی ہیں۔ اس

Marfat.com

واقعے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایرانی صوفی کے معنی میں پشمینہ پوش کا لفظ استعمال کرتا ہے اور اس کے معنی بھی اونی لباس پہنے ہوئے شخص کے ہیں- ایک عام غلطی کی بناء پر عربی مصنفین صوفیت پر بحث کرتے ہوئے اس لفظ کو لفظ صفا سے ماخوذ قرار دیتے ہیں- اور اس طرح سے اس کو پاکباز کے مماثل کر دیتے ہیں- اس سے بھی زیادہ غلطی یہ ہے کہ بعض مغربی مصنفین اسے یونانی..... کا ترجمہ قرار دیتے ہیں- زور دراصل عیش و عشرت سے کنارہ کشی اور لباس میں عمداً" سادگی اختیار کرنے پر دیا جاتا ہے- اور جو لوگ عیش و عشرت سے بچتے اور لباس میں سادگی اختیار کرتے ہیں انہی پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے- اگر ہم اس کو رہبانیت کی ایک شکل قرار دیں تو فوراً" یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن میں رہبانیت کی کوئی جگہ نہیں اور اوائل اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں آتا- ایک اعتبار سے یہ بات صحیح ہے- اور دوسرے اعتبار سے غلط ہے اور اس کا مدار لفظ مرتاضیت کے معنی پر ہے جس طرح سے یہ لفظ عیسائیوں کی تاریخ رہبانیت میں استعمال ہوتا ہے- یا متعدد ہندی مذاہب کے پرستار یا بعد کے صوفی بھی اس کو استعمال کرتے ہیں- وہاں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی معمولی لذات اور خصوصاً ازدواج سے عمداً" گریز مراد ہے اور انہیں ایسی شے سمجھا جاتا ہے جو روح کو الجھاتی ہیں اور اس کی روحانی ترقی کو روکتی ہے- اس معنی میں مرتاضیت یا رہبانیت روح اسلامی کے خلاف ہے- اور مسلمانوں میں یہ صرف خارجی معلوم ہوتی ہے- لیکن اس اصطلاح کو مجاہدانہ پابندی اور سادگی کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے- اگرچہ شاید اس معنی میں اس کا استعمال بہت زیادہ صحیح نہ ہو- جس کے بموجب ہر قسم کے عیش و عشرت اور نمود و نمائش سے گریز کیا جاتا ہے- اور عمداً سادہ منکسرانہ زندگی اختیار کی جاتی ہے-

اسلامی تصوف

اس دوسرے معنی میں مرتاضیت پرانے مومن کا امتیازی نشان ہے- جو اموی نمونے کے دنیا دار عربوں سے بالکل جدا تھا- اور اس روش کی ہمیشہ تحسین کی جاتی تھی- مورخ ہمیشہ خلفائے اربعہ صحابہ کی پرہیز گاری اور پاک بازی کے رطب اللسان

Marfat.com

نظر آتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ کسی طرح سے وہ دنیاوی عیش و عشرت سے پرہیز کرتے تھے۔ نہ اس لئے کہ وہ غریب اور مفلس تھے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ خود کو اپنی رعایا کے برابر رکھنا چاہتے تھے اور نبی کریمؐ اور سابقون الاولون کی سنت اور اسوہ حسنہ کو باقی رکھنا چاہتے تھے۔ اور احادیث صحیح میں اکثر ہمیں ابتدائی مسلمانوں کے سادہ طرز زندگی کا حال ملتا ہے بالکل ابتدا ہی سے اس قسم کی سادگی پکے مسلمان کی امتیازی علامت معلوم ہوتی ہے۔ اور اس سے وہ فرق نمایاں ہو جاتا ہے جو اس کے اور امویوں کے دنیا دار متبعین کے مابین ہے۔ اور ایسی ہی مثالیں موجودہ زمانے کے مقدس مسلمانوں میں ملتی ہیں اس قسم کے لوگ صوفی نہ تھے۔ بلکہ وہ صوفیا کے پیش رو تھے۔ مورخ الفخری ابتدائی خلفاء کی پرہیز گاری کی زندگی کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ اس ضبط نفس سے خود کو جسمانی خواہشات سے جدا کر لینا چاہتے تھے۔ اس کے معنی ایک بہت ہی ابتدائی عمل میں بعد کا تصور پیدا کر لینے کے ہیں۔ کیونکہ دراصل اس کی غرض محض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی تھی۔ جو کسی قسم کی عیش و عشرت یا شان و شوکت سے لطف اندوز نہ ہو سکتے تھے۔ لیکن اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعد کی نسلیں ابتدائی مسلمانوں کی بے تکلف سادہ زندگی اختیار کرنے سے ایک قطعی مرتاضی محرک منسوب کرنے لگیں اور اس میں شک نہیں کہ ابتدائی زہد و تقویٰ کے بعد کے زمانوں میں غلط معنی سمجھے گئے اور اس سے مرتاضیت یا رہبانیت کے پھیلنے میں مدد ملی۔

مجاہدات و عبادات

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مسلسل بارہ سال تک میں نفس کو مجاہدہ کی آگ میں جلاتا رہا۔ اور اس مدت میں ہر قسم کی محنت و عبادت کی آپ نے صبح کو جانے کا ارادہ کیا مگر چند منزل گئے ہوں گے کہ راہ میں ایک شمشیر بدست ملا بولا۔ ابھی واپس جا ورنہ تیرا سر میں قلم کر دوں گا خدا کو تو بسطام چھوڑ آیا اور بیت اللہ جا رہا ہے۔

ابتدائی زاہد و عابد

جامی جو ایران میں صوفیت کے امام ہیں ہمیں بتاتے ہیں کہ صوفی کا نام سب سے پہلے کوفے کے عرب ابو ہاشم پر استعمال کیا گیا جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ شام میں

Marfat.com

بسر کیا تھا اور جو ان اسلامی عابدوں کا نمونہ تھا جو نبی پاکؐ کی سادہ زندگی کا اتباع کرتے تھے۔ اور گناہ قیامت اور دنیاوی زندگی کے عارضی ہونے کی قرآنی تعلیم سے بے حد متاثر تھے۔ اسی قسم کے عابد و زاہد جنہیں بعد کے صوفی مصنفین صوفی کہنے کے مدعی ہیں بلکہ جو صحیح معنی ہیں ایسے عابد و زاہد ہیں۔ جو ان کے پیش رو کہے جا سکتے ہیں۔ دوسری صدی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ابراہیم بن ادھم (متوفی 261ھ داؤد طائی (متوفی 165ھ فضیل (متوفی 188ء معروف کرخی (متوفی 200ھ اور دوسرے لوگ ہیں جن میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہوتے ہیں ان میں رفتہ رفتہ مرتاضی النیات کے مباوی پیدا ہوئے۔ اور ان کے ملفوظات اور ان کے سوانح حیات اور کردار اور مجاہدوں اور ریاضتوں کے تذکرے عالم وجود میں آ گئے۔ اس مواد میں سے سب سے اہم معروف کرخی کی تعلیم ہے۔ جو تحریری صورت میں موجود ہے۔ اور جس سے ہم صوفیت کی تاریخ کا اقتباس کر سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک تصوف یا صوفیت حقائق الٰہی کا فہم ہے جو شاید خفیف سے تغیر کے ساتھ بعد کی صوفیت کی تعلیم کا مرکز بن جاتی ہے۔

علم تصوف کی تعریف

تصوف وہ علم ہے جس میں ذات و صفات باری تعالیٰ کی نسبت سے بحث کی جاتی ہے اور ان اعمال و اشغال کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے تزکیہ و تصفیہ باطن ہو اور جو حصول الی اللہ کا ذریعہ ہے یا یوں تصور کریں کہ تصوف قرآن و حدیث سے نکلی ہوئی ایسی اشارہ ہے جو افراط و تفریط کے عین درمیان میں واقع ہے جسے راہ راست کیا جاتا ہے' اور اس پر چلنے سے انسان خدا تک پہنچ جاتا ہے۔

مقامات تصوف نامی کتاب میں مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی لکھتے ہیں کہ! لفظ تصوف کے اشتقاق کی نسبت اس کی حقیقت میں اور بھی زیادہ اختلاف ہے کیوں کہ حقیقت تصوف کے بہت سے ارکان' شرائط' آداب اور لوازم میں جن کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف لوگوں نے مختلف تعریف کئے ہیں۔ (مقامات تصوف۔ ص۔ 28)

مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی لکھتے ہیں کہ تفسیر' حدیث' فقہ' اصول' حدیث' تاریخ' حساب' ہندسہ اور طب وغیرہ سب کے سب اصطلاحات پر مبنی ہیں کیوں کہ اصطلاحات کا

Marfat.com

بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بار بار لمبی عبارت کو دہرانے کے بجائے ایک ہی لفظ سے کام لیا جاتا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ صرف شریعت کے اوامر و مناہی کا پابند ہونا نفس تزکیہ و تصفیہ کے لئے کافی ہے اور کسی شیخ کامل کی بیعت میں آنا ضروری نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات فیصلہ شدہ ہے کہ جب تک مرشد کامل کی ہدایت و اصولوں پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک منزل و مقصود تک صحیح سلامت رسیدگی کرنا آسان کام نہیں ہے۔ (مقامات تصوف۔ ص۔ 31، 35)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب غنیتہ الطالبین میں لکھا ہے کہ بغیر تربیت شیخ کی کوئی شخص منازل سکوت طے نہیں کر سکتا ہے۔

امام شعرانی نے اپنی مشہور کتاب انوار قدسیہ میں لکھا ہے کہ شیخ کامل کی پیروی لازمی ہے اور لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خود بخود اپنے اصلاح کرنے لگے تو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سلوک کا مقصد رضائے حق کا معمول ہے اس کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں اول علم اور دوم اس عمل پر عمل کرنا۔

مولانا شاہ محمد مسیح اللہ نے اپنی کتاب شریعت و تصوف میں اس کی تعریف یوں کی ہے!

گویا کہ تصوف دین کی روح و معنی یا کیفیت و کمال کا نام ہے۔ جس کا کام باطن کو رزائل اخلاق، آفات، حسد، جب دنیا و دولت، حرص اور ریا سے پاک کرنا اور اخلاق حمیدہ سے انسانی فکر کو آراستہ کرنا ہوتا ہے، تصوف و طریقت دین و شریعت کے قطعاً منافی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ راہ تصوف اختیار کریں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے اعمال کا اصلاح قرآن و حدیث کی روشنی میں کریں کیوں کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں بہت سے ایمان افروز ہدایات موجود ہیں جن سے استفادہ کرتے ہوئے ہم اعمال صالحہ اور اخلاق حمیدہ کے مالک بن سکتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن و حدیث ہمارے لئے راہ ہدایت و راہ روشن ہے۔ (شریعت و تصوف، ص۔ 93)

تصوف یا سریعت کیا ہے؟

تصوف یا سریت کیا ہے اور کیا نہیں ہے اور اس کی وضاحت کس انداز میں ہونی

Marfat.com

چاہئے۔ پروفیسر لطیف اللہ نے اپنی کتاب (تصوف اور سریت) کے صفحہ 78_80 تک لکھا ہے کہ دائرۃ المعارف برطانیہ اور دائرۃ المذہب و اخلاق اور دائرۃ المعارف فلسفہ کے فاضل مقالہ نگاروں نے جن اہم پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے وہ ایک دوسرے سے متضاد' متناقص اور متصادم ہیں۔ اس لئے انہیں نہ صرف منطقی بلکہ علمی طور پر بھی درست تسلیم کرنے میں تامل کیا جا سکتا ہے کسی مسئلے کی ایسی تصریح جس میں جابجا تضادات کا طومار ہو قرین صحت نہیں ہوتی۔ یہ بات صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ ہر مقالہ نگار اپنی تصریح میں چند باتیں ایک دوسرے سے مختلف کہی ہیں۔ بلکہ ہر تصریح بذات خود متضاد و متناقص ہے۔

فاضل مقالہ نگار ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ سریت ناقابل فہم اور ناقابل تعریف ہے۔ سریت ایسا لفظ ہے جس کا مفہوم متعین نہیں ہے سریت کی کوئی سادہ سی تعریف بیان کرنا مشکل ہے۔ دوسری جانب وہ اس امر کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ سریت طبع انسانی کا ایسا رویہ ہے جس کا مقصد اشیاء کی حقیقت نمائی کی فہم حاصل کرنا ہے۔ (تصوف اور سریت' ص' 78)

پروفیسر لطیف اللہ لکھتے ہیں کہ! ولیم آرنسٹ ہاکنگ نے (جن کی ایک تصنیف "انسانی تجربہ میں خدا کی معنیٰ") کا حوالہ دائرۃ المعارف برطانیہ میں دیا گیا ہے' اپنی ایک اور تصنیف (نوعیت فلسفہ) میں سریعت اور اہل سریت کے مذاق کی نشاندہی کی ہے!

حقیقت موضوع و معروض میں تفریق کرتی ہے۔ تصوریت معروضات کو موضوع کا جز قرار دیتی ہے۔

سریت کا دعویٰ ہے کہ موضوع و معروض اصل میں ایک ہی حقیقت ہی کے دو پہلو اور ایک جان ہیں۔ کثرت استعمال کی وجہ سے سریت فلسفہ کی دوسری اصطلاحوں کے مقابلے میں غلط فہمیوں کا زیادہ متحمل ہے۔

سریت فلسفہ کا ایک نظام ہے۔ اسے سحر' سرنجات اور توہمات نہ ملانا چاہئے اور نہ اسے روحانی تحقیقات کے چوتھے بعد کی تحقیق سمجھنا چاہئے۔ اور وہ کوئی مبہم مذہب یا افشائے راز کی کوئی پراسرار کاوش بھی نہیں ہے۔ سب سے پہلی قوت سائنسی مشاہدے کی قوت ہے۔ کائنات پر سائنسی انداز فکر سے نظر کرنا اخلاقی ترقی کا صریح نتیجہ ہے گویا

Marfat.com

فطرت کی ایک نئی طرز سے تنظیم کرنا ہے۔ چنانچہ ہمارا سائنسی فرض ہی نہیں بلکہ اخلاقی فرض بھی بن جاتا ہے کہ اپنے نفس کو اس شہادت کا پابند بنائیں جو تجربہ بہم پہنچاتا ہے۔ سائنسی تحقیقات دیانت یعنی اپنی خواہشات کو واقعی انکشاف کے مقابلے میں دبانا ہر طالب علم فطرت کی اخلاقی اصول موضوع میں سے ہے۔ چنانچہ حامیان سریت کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ تحقیق حق کی اولین شرائط اخلاقی ہوتی ہیں اور یہ کلیہ مابعد الطبیعاتی حقیقت ہی کی تحقیق کے لئے نہیں بلکہ حقائق فطرت کی تحقیق پر بھی راست آتا ہے۔ (تصوف اور سریت۔ 79-80)۔

پروفیسر لطیف اللہ نے حضرت داتا گنج بخش کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے محض اصطلاحوں کا فرق خیال کر کے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے بنیادی بات دل کو حق کے ساتھ پیوند کرنا ہے اور دوسرے ہر صورت میں حال کو بہتر بناتا ہے اس لئے یہ مسئلہ ذہنوں کو مغالطوں میں مبتلا کرنے کا نہیں ہے بلکہ قلب اور روح کو زیادہ سے زیادہ پاکیزہ بناتا ہے۔

فلسفہ اسلام کے مصنف پروفیسر ڈی اولیری نے اسلامی تصوف پر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں!

صوفیت یا اسلامی تصوف جو تیسری صدی ہجری کے دوران میں نمایاں ہوتا ہے ایک حد تک یونانی اثرات کا نتیجہ تھا اور اس کا ابن سینا کے زمانے کے فلاسفہ اور اس کی متاخرین پر بے حد اثر ہوا ہے۔ لفظ صوفی صوف یعنی اون سے ماخذ ہے اور اس طرح سے اس کے معنی اونی لباس پہنے ہوئے شخص کے ہیں۔

صوفی کے معنی ایسے شخص کے ہو گئے جو سادہ سے سادہ قسم کا لباس اختیار کرتا ہے اور ہر قسم کے عیش و عشرت یا نمائش سے بچتا ہے۔"

"اگر ہم اس کو رہبانیت یا مرتاضیت کی ایک شکل قرار دیں تو فوراً" یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن میں رہبانیت کی کوئی جگہ نہیں اور اوائل اسلام سے اس کو کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ ایک اعتبار سے یہ بات صحیح ہے اور دوسرے اعتبار سے غلط ہے اور اس کا مدار لفظ مرتاضیت کے معنی پر ہے۔ جس طرح یہ لفظ عیسائیوں کی تاریخ رہبانیت میں استعمال ہوتا ہے یا متعدد ہندی مذاہب کے پرستار یا بعد کے صوفی بھی اس

Marfat.com

کا استعمال کرتے ہیں' وہاں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی معمولی لذات اور خصوصاً ازدواج سے عمداً" گریز مراد ہے اور اسے ایسی شے سمجھا جاتا ہے جو روح کو الجھاتی ہے اور اس کی روحانی ترقی کو روکتی ہے۔ اس معنی میں مرتاضیت یا رہبانیت روح اسلامی کے خلاف ہے اور مسلمانوں میں یہ خارجی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس اصطلاح کو مجاہدانہ پابندی اور سادگی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ شاید اس معنی میں اس کا استعمال بہت زیادہ صحیح نہ ہو جس کے بموجب ہر قسم کے عیش و عشرت اور نمود و نمائش سے گریز کیا جاتا ہے' اور عمداً" سادہ منکسرانہ زندگی اختیار کی جاتی ہے۔"

"صرف یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تصوف کی اس وقت تک کوئی بنیاد نہیں ہوتی جب تک کہ روح انسانی اور خدائے تعالیٰ کے مابین اس قسم کے علائق فرض نہ کئے جائیں جن کا نو فلاطونیت سے اشارہ ملتا ہے۔" (تصوف اور سریت۔ ص۔ 89_90)

تصوف کی اصل اور اس کے حقیقی ماخذ کی وضاحت کے سلسلے میں اس حقیقت کا اعادہ ضروری ہے کہ لبار صوفیہ نے فلاسفہ کو خواہ ان کا تعلق اہل یونان سے ہو یا اہل سکندریہ سے مردود قرار دیا ہے اس سلسلے میں حکیم سنائی غزنوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

چند ازیں عقل ترہات انگیز
چند ازیں چرخ و طبع رنگ آمیز
عقل را خود کسی نہد تمکین
در مقامی کہ جبریل آمین
کم زکنجشک آمد از ہیبت
جبرئلی بدان حمہ صولت

اس کے برعکس شیخ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ نے اپنی کتاب اسرار نامہ میں لکھا ہے!

ماھر زاویز دانش بعقی
کہ گوید فلسفان این گونہ معنی

Marfat.com

زجائی دیگران اینگونہ اسرار
ندارد فلسفی باایں مختص کار

اس کے بر عکس مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں!

صد ہزاران زاہل تقلید و نشان
افگند شان نیم و ہستی در گمان
کہ بظن تقلید و استدلال شان
شبہ می انگیزد آن شیطاں دوں
(تصوف اور سریت۔ 92-93)

ایران سے تعلق رکھنے والے معروف تصوف شناس سعید نفیسی نے تصوف پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اپنی کتاب (سہ چشمہ تصوف در ایران) میں لکھتے ہیں!

مانع دوم کہ برای پی بردن بہ حقیقت تصوف ان استدلال ھلوا ستناجھا نادرستی است کہ از صد و پنجا سال بیش یعنی از روزی کہ خاور شناسی اروپائی درجھاں انتشار یافتہ ات۔ بی خبران اروپائی کردہ و نتیجہ ناصوابی ازان گرفتہ اند۔ بذرگترین اشکالی درپیش پائی محققان اروپانیست یک نوع خود خواہی و خویشتن پرستی است کہ درھر علمی آن را وارد کردہ اند۔

تصوف نظری اور عملی اعتبار سے حقائق آفاق سے اعراض کئے بغیر ذات کبریا کی قربت اس کی رضا اور اپنے نفس کا عرفان حاصل کرنا ہے۔ اس سلسلے میں یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ان غایتوں کا تعلق انسان کے روحانی تجربات اور اس کی نفسی کیفیات سے ہے اور چونکہ ایک خلقی رویہ ہے اس لئے ذات کبریا اور باطن کی جانب سے انسان کا رحجان و میلان کا کوئی پہلو خواہ وہ حقیقت و آگہی کی کسی منزل میں ہو' فطرت انسانی سے معاشرت نہیں رکھتا' بلکہ یہ انسان کے شعور و ادراک کا مستقل تقاضا ہے کہ وہ مبداء حقیقی سے قریب تر ہو جائے' اور اپنی ذات کی گہرائیوں سے آشنا ہو تاکہ اس ئی روح کو ابدی کیفیت حاصل ہو جائے۔ (تصوف اور سریت۔ پروفیسر لطیف اللہ۔ ص۔ 25)

Marfat.com

علامہ اقبال نے علم کے جس مخصوص منہاج پر اصرار کیا ہے وعقل و خرد سے منہمک ہونے کے باوصف اشیاء کی حقیقت تک اس طرح رسائی حاصل نہیں کرتا کہ ایک ایک شے کو زمان و مکان میں معلق فرض کر لیا جائے۔

مولانا جلال الدین رومی نے خوب کہا ہے!

از جمادی مردم و نامی شوم
وزنما مردم بحیوان بہ زوم
مردم از حیوانی آدم شد
پس چہ ترسم کہ زمردں کم شدم

یعنی کہ میں جماد تھا پھر نبات اور پھر حیوان اور بعد میں انسان بن گیا اور میری حیوانیت ختم ہو گئی اور مجھے انسانی صفحات عطاء ہوئے۔ (اقبال اور مغربی مفکرین۔ ڈاکٹر عترت حسین۔ ص۔ 19)

انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاقیات میں تصوف کی تشریح اس طرح کی گئی ہے!

سریت عام بول چال میں ایسا لفظ ہے جس کا مفہوم متعین نہیں ہے۔ موجودہ دور میں اس کا استعمال جرمن زبان کے دو قطعی مختلف مفہوم رکھنے والے الفاظ (مسٹک اور مسٹرمز) کے مترادف لفظ کے طور پر کیا گیا ہے۔ یہ لفظ میسا صوفی کے نصب العین اور نفسی تحقیق کے روحانی استفادے کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ اس کے بر عکس انسائیکلو پیڈیا آف فلسفہ کے مطابق!

سری تجربہ بڑی حد تک مذہبی تجربے ہی کی ایک صورت ہے وہ خاص وجوہ سے سری کی کوئی سادہ سی تعریف بیان کرنا مشکل مرحلہ ہے۔

ڈبلیو' آر نے اپنی کتاب (سریت اور مذہب) میں لکھا ہے کہ!

سریت ذات الٰہی سے نفس کے اتصال کا براہ راست احساس ہے۔

(تصوف اور سریت۔ ص۔ 75-76)

83752

Marfat.com

اصول تصوف

تصوف کے مختلف پہلوؤں اور اس کی اہمیت پر بحث کرنے کے بعد اب ہم تصوف کے اصول پر بحث کریں گے تاکہ قاری پر یہ واضح ہو جائے کہ ایک صوفی کو تصوف میں قدم رکھنے سے قبل کن کن اصولوں پر عمل کرنا چاہئے۔

تعلیم غوثیہ کے مصنف نے اپنی کتاب میں پانچ اصول بتائے ہیں۔

1- گرسنگی (بھوک)

2- خاموشی (خلوت)

3- بیداری (رات کے وقت ذکر کرنا)

4- تنہائی (تاکہ ذکر میں مشغول رہے)

5- یاد الٰہی (خدا کا ذکر مسلسل اور ہمیشہ کرنا)۔

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ تصوف کے پانچ ظاہری اور پانچ باطنی اصول ہیں۔

1- پیر و مرشد کی طرف سے خرقہ تن کرنا۔

2- خلوت میں عبادت کرنا۔

3- پیروں کی مجالس میں نشست و برخاست کرنا۔

4- سخاوت اور خیرات میں پیش پیش ہونا۔

5- پیر و مرشد کی خدمت کرنا۔

اس کے برعکس ارکان و اصول باطنی یہ ہیں!

1- احکام اسلام سے واقفیت۔

2- اسلام پر صدق دل سے عمل کرنا

3- باطن میں حال پیدا کرنا۔

4- دل کے مقام تک پہنچنا۔

Marfat.com

5- اللہ کی معرفت حاصل کرنا۔

اقسام صوفی پر شیخ ضیاء الدین سہروردی نے لکھا ہے کہ!

صوفیوں کے تین گروہ ہیں۔ اول۔ مرید۔ جو اپنی مراد کو طلب کرتا ہے۔ دوسرا متوسط جو آخرت کی راہ میں چلتا ہے۔ تیسرا منتہی جو اپنے مقصود کو پہنچ گیا ہے۔ مرید اپنے وقت کا متوسط اور اپنے حال کا منتہی ہے۔ اور پاس انفاس میں اپنے سانس کا نگہبان اور اس کو سب احوال میں افضل جانتا ہے اور مراد کی طلب میں سختیاں برداشت کرتا ہے۔ مرید کا کام ہے مجاہدات میں مقام کرنا۔ ریاضات و عبادات میں تکلیف اٹھانا۔ صبر کی تلخی چکھنا۔ نفسانی لذتوں سے بچنا۔ متوسط سے منازل آداب کا مطالبہ ہے اور وہ صاحب تکوین ہے کہ ادنیٰ حال سے اعلیٰ کی طرف ترقی پاتا ہے اور ہمیشہ زیادتی میں ہوتا ہے۔ اس کا مقام مرادات کی طلب میں سختیاں اٹھانا ہے اقوال و افعال میں سچا رہنا کمال کے مقامات میں ادب برتنا۔ منتہی درجہ صحو و تمکین میں ہے ظاہر مع الخلق اور باطن مع الحق جیسے رسول علیہ الصلواۃ والسلام۔ پہلے غار حرا میں تنہا گوشہ نشین رہتے تھے پھر مخلوق کے شامل رہنے لگے۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیوں کے اصول پانچ ہیں۔ اول صوم۔ دوم قیام شب .عبادت۔ سوم اخلاص عمل۔ بہ تقرب الی اللہ۔ چہارم رعایۃ [illegible] اعمال اور کسی رکن میں خدا سے غافل نہ ہونا۔ پنجم توکل۔

تصوف میں نیک روی اختیار کرنا' قرب حاصل کرنا' دوسروں سے اخلاق سے پیش آنا یہ تمام تصوف کے اصول ہیں۔ فضیلت تصوف پر مولانا جلال الدین رومی نے لکھا ہے!

پس گرایان آئینہ جو حق اند
و آنکہ باحق اندجود مطلق اند

Marfat.com

لیک درویشی کہ اور تشنہ خدا است
ھست دایم از خدایش کار راست
لیک درویشی کہ تشنہ غیر شد
او حقیر وابلہ و بے خیر شد

جب دل جسمانی اور علمی تعلق سے پاک ہو جاتا ہے اور نفسیاتی برائیاں دور ہو جاتی ہیں تو وہ نفس مطمئن بن جاتا ہے۔

Marfat.com

دوسرا باب

اسلامی تصوف کا ماخذ اور اس کی بنیاد

تمام صوفیائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ وہ جس تصوف کے قائل ہیں اس کی بنیاد کتاب و سنت پر قائم ہے اور یہی اس کے اصل ماخذ ہیں ابو عبداللہ سہل بن عبداللہ کے مطابق!

ہمارے طریقے کے اصول سات ہیں!

کتاب اللہ کی پیروی کرنا' سنت کی پیروی کرنا' حلال کھانا' کسی کو اذیت نہ دینا' گناہ سے اجتناب کرنا' توبہ اور حقوق کی ادائیگی کرنا ابو حفص عمر بن الحداد لکھتے ہیں!

جو شخص ہر وقت اپنے افعال' احوال و اقوال کو کتاب و سنت پر نہیں تولتا اور جو اپنے واردات قلبی میں شک کر کے اسے نہیں جانچتا اسے مردان حق کے گروہ میں شمار نہ کرو۔ مردان حق سے مرد نیک لوگ اور خدا و رسول کی پیروی کرنے والے لوگ۔ اس طرح سید مصطفیٰ العروسی کے مطابق کہ طالب سلوک کے لئے شرط یہ ہے کہ علماء سے شریعت مطہرہ کے احکام کا علم حاصل کر کے اس پر عمل کرے اس کے بعد اس راہ میں اس کی رہبری درست ہو سکتی ہے' اور جو شخص اس کے بغیر اللہ تک پہنچ جانے کا مدعی ہو وہ بدعتی ہے ابوالقاسم ابراہیم کے مطابق کہ تصوف کی اصل یہ چیزیں ہیں' کتاب و سنت کی پابندی' خواہشات و بدعات کا ترک' مشائخ کا احترام' مخلوق کی معذرتوں کو قبول کرنا' تاویلات ترک کرنا' گناہ سے پرہیز کرنا' ان تمام امور و اصولوں پر عمل کرنے کو ہی تصوف کہا ہے۔ (اسلامی تصوف' ص' 15' 16' 17' 18)

تصوف کیا ہے اور صوفی کون لوگ ہیں؟

س موضوع پر ہم نے گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بحث کی ہے تاہم اسے مزید

Marfat.com

واضح کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے' سید احمد عروج قادری نے اپنی کتاب اسلامی تصوف میں لکھا ہے کہ!

"صوفیائے کرام کے اقوال پیش کرنے سے پہلے یہ یاد دہانی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ "تصوف" اور "صوفی" کی اصطلاحیں بہت مشہور ہیں' لیکن صوفیاء کرام اپنی کتابوں میں یہ بھی لکھتے آ رہے ہیں کہ یہ دونوں لفظ قرآن و حدیث میں نہیں آئے ہیں اس لئے نہ "تصوف" کا لفظ مطلوب ہے اور نہ "صوفی" کا لقب مقصود ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (م 632) عوارف المعارف میں لکھتے ہیں:

> "پورب سے اسلامی ممالک کے دونوں کناروں میں اہل قرب کے لئے "صوفی" کا نام معروف و مشہور نہیں ہے۔ یہ نام انہیں لوگوں کے لئے معروف ہے جو خاص قسم کا لباس استعمال کرتے ہیں۔ بلاد مغرب' بلاد ترکستان اور ماوراء النہر میں بہت سے اللہ کے مقرب بندے ہیں لیکن وہ "صوفیہ" سے موسوم نہیں ہیں کیونکہ وہ صوفیہ کا لباس استعمال نہیں کرتے اور الفاظ و اصطلاحات میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صوفیہ سے ہماری مراد "مقربین" ہی ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ چھٹی' ساتویں صدی ہجری تک "صوفیہ" کے نام سے وہی لوگ جانے پہچانے جاتے تھے جو خاص قسم کا لباس پہنتے تھے لیکن بعد میں لباس کی قید اٹھ گئی اور یہ نام اس طبقے کے لئے مشہور ہو گیا جس میں پیری مریدی کا سلسلہ جاری ہوا اور وہ بزرگوں کے بارے میں نالیانہ عقیدت رکھتا ہو۔۔۔۔ (اسلامی تصوف' عروج احمد قادری' ص۔ 22)

امام قیشری نے اپنی کتاب کے باب تصوف میں خود اپنی مسند سے سب سے پہلے یہی قول نقل کیا ہے اس قول کا حاصل ہے کہ ہر بلند اخلاق سے آراستگی اور ہر پست اخلاق سے پاکی و صفائی ہی حقیقی تصوف ہے۔ اور تصوف یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ اس کام میں مشغول ہو جو اللہ کے نزدیک اچھا اور نیک کام ہوتا ہے۔

چونکہ اولیاء کرام کے بارے میں مبالغہ آمیز عقیدہ تین ذہنوں میں موجود ہیں اس

Marfat.com

لئے دیکھ لینا چاہئے کہ خود ذات خداوندی کے نزدیک اس کے ولی لوگ کون ہیں۔

عربی زبان میں ولی کے معنی ہے کسی شے سے قریب ہونا' ولایت محبت کے قریب ہے اور اس کے ضد عداوت ہے۔

"ولی" کے معنی قرب اور نزدیکی کے ہیں۔ پے در پے بارش بھی اس کے معنی میں داخل ہے۔ ولی اس مصدر کا اسم ہے ولی کے معنی محب' دوست اور مددگار کے بھی ہیں "تولاہ" کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اس کو اپنا دوست بنا لیا' "دارہ ولی داری" کے معنی یہ ہیں کہ اس کا گھر میرے گھر کے قریب ہے۔"

مصباح منیر میں اس لفظ کی لغوی تشریح یہ کی گئی ہے:

"ابن الاعرابی نے کہا ولی کے معنی محبت کرنے والے اطاعت گزار کے ہیں' موالات' معادات کی ضد ہے اور ولی' عدو کی ضد ہے اللہ ولی الذین امنوا کے معنی بیان کرتے ہوئے ابو اسحاق نے کہا اللہ مومنوں کا ولی ہے ان کی طرف سے دشمن کو جواب دینے میں' ان کو ہدایت دینے میں ان کے لئے دلیل قائم کرنے میں اس لئے کہ اللہ ایمان کی زیادتی کے ساتھ ہدایت میں بھی اضافہ کرتا جاتا ہے جیسا کہ خود ہی فرمایا ہے: "جو لوگ ہدایت ہدایت کی راہ اختیار کرتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے۔" نیز یہ کہ اللہ' مومنوں کا ولی ہے ان کے دشمنوں پر مدد کرنے میں اور ان کے مخالفوں کے دین پر ان کے دین کو غالب کرنے میں۔"

ولایت کے معنی نصرت اور محبت دونوں ہی آتے ہیں۔ مغرب میں ہے:

"ولایت اور ولایت کے معنی نصرت اور محبت ہیں۔"

عربی لغت اور قرآن و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کا لفظ حسب ذیل معانی میں استعمال کیا جاتا ہے:

(1) قریب (2) دوست (3) بااختیار نگران کار (4) کارساز (5) مددگار (6) تابع و مطیع (7) ساتھی (8) وارث۔

ان تمام معانی پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ محبت اور قرب لفظ ولی کا اساسی معنی و مفہوم ہے اور اسی مناسبت سے دوسرے معانی بھی پیدا ہوئے ہیں۔ ان الگ الگ معانی کے لئے ولی اور اولیاء کا لفظ قرآن میں کم استعمال ہوا ہے البتہ یہ لفظ ایک

Marfat.com

جامع اصطلاح کی حیثیت سے قرآن میں زیادہ آیا ہے اور اس کا استعمال چار صورتوں میں ہوا ہے۔

(1) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کا ولی ہے۔ (2) اللہ کے مومن بندے اس کے اولیاء ہیں۔ (3) شیطان کافروں اور مشرکوں کا ولی ہے۔ (4) کافر و مشرک شیطان کے اولیاء ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے آپ کو مومنوں کا ولی کہتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان کا دوست ہے' اس کی رحمت ان سے قریب ہے۔ وہی ان کا کارساز و مددگار' وہی ان کا رفیق اعلیٰ اور اسی کی بااختیار نگرانی ان کی محافظ ہے اور وہ جب مومنوں کو اولیاء اللہ قرار دیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ مومن بندے اس کی محبت کے متوالے' اس کی رحمت و نظر عنایت کے آرزومند' اس کی نصرت و کارسازی پر بھروسہ کرنے والے' اس کے اشاروں پر چلنے والے' اس کی رفاقت کے جویاں اور اس کی مرضیات میں اپنی مرضیات گم کر دینے والے ہیں۔ (اسلامی تصوف' سید عروج احمد قادری' ص' 33-35)

فقر کا تصور

فقر کو ابتدائی زمانے کے مسلمانوں میں اس لئے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا کہ اس سے نبی پاک اور صحابہ کی منکسرانہ زندگی کی تقلید کا موقع ملتا تھا اور یہ امویوں کی دنیا داری کے خلاف ایک مستقل احتجاج تھا۔ مگر اب اس نے مجاہدے کی ایک صورت ہونے کی حیثیت سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ یہ تبدیلی داؤد طائی نے یہاں قطعی طور پر نمایاں ہے۔ جنہوں نے اپنے اسباب زندگی کو ایک چٹائی ایک اینٹ جس سے وہ تکیے کا کام لیتے تھے۔ اور ایک پانی کے مشکیزے تک محدود کر رکھا تھا۔ بعد کی صوفیت میں فقر و افلاس اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ فقیر اور درویش صوفی کے مترادف بن جاتے ہیں لیکن صوفیاء کی تعلیم میں مذہبی افلاس کے معنی محض رخت و ملکیت کے عدم ہی کے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے معنی تمام دنیاوی چیزوں سے عدم دلچسپی دنیاوی مقبوضات میں ہر قسم کی شرکت کے ترک کر دینے اور صرف خدا ہی کو خواہش کا

Marfat.com

مقصود بنا لینے کے ہیں۔ اس طرح سے نفس کشی کے معنی روح حیوانی کے برے حصے یعنی نفس کے تابع کر لینے کے ہیں۔ جو حرص و ہوا کا مرکز ہے۔ اور پھر روح کو مادی دلچسپیوں سے الگ کر کے اپنی ذات اور دنیا سے فنا ہو کر خدا کے لئے زندگی بسر کرنے کی تمہید کے ہیں۔

تصوف پر نو افلاطونی اثرات

جدید صوفیت میں جو الہیات سے پیدا ہوئی۔ اس کا مرکز کیا تھا۔ بلاشبہ یہ مرکز نو افلاطونی تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر نکلسن (دیوان شمس طبریز کی منتخبہ نظموں مطبوعہ کیمبرج 1898ء اور صوفیائے اسلام مطبوعہ لندن 1914ء اور پروفیسر براؤن) (تاریخ ادبیات ایران مطبوعہ لندن 1902ء باب 130 میں) ثابت کیا ہے۔ اور یہ اس اثر کا جزو ہے جو اسلام میں بنو عباس کے زمانے میں پیدا ہوا۔ لیکن جس طرح سے فلسفہ اور دوسرے ثقافتی انتقالات میں ہوا ہے کہ براہ راست یونانی اثر سے پہلے ایک بالواسطہ اثر شام اور ایران کے ذریعے سے ہو چکا تھا اسی طرح نو افلاطونی الہیات میں بھی ہوا۔ کیونکہ نو افلاطونی اثرات اسلام سے پہلے شامیوں اور ایرانیوں پر پڑ چکے تھے۔ بعد کے راست اثر کے سلسلے میں سب سے پیش پیش نام نہاد الہیات ارسطو ہے۔ جو بلا مبالغہ نو افلاطونیت کی سب سے ممتاز اور سب سے کثیرالاشاعت کتاب ہے۔ افلاطیوس کی کتاب اینیڈس کے آخری تین حصوں کا مختصر ترجمہ ہے۔ (فلسفہ اسلام۔ 197-202)

فلسفیانہ تصوف

مگر فلاطینوس کا تصوف مذہبی نہیں۔ بلکہ فلسفیانہ ہے۔ لیکن اس کی الہیاتی تعبیر اسی طرح سے بہت آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ جس طرح سے بحیثیت مجموعی کل نوفلاطونیت' بت پرستان اور اس قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں الہیاتی نظام بن جاتی ہے۔ صوفیا اس کے اطلاق پر مائل تھے۔ ان کے برخلاف فلاسفہ نے خود کو اس کے فلسفی پہلو کی حد تک محدود رکھا تھا۔ یہ بھی اغلب معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً اسی زمانے میں اسلام پر ڈائی اونالی سس کاذب کا اثر بھی پڑا ہے۔ ڈائی اونالی سس کاذب کی تحریرات چار کتابوں پر مشتمل ہیں جن میں سے دو رسالہ تصوفی الہیات جس کے پانچ

Marfat.com

باب ہیں- اور رسالہ اسماء باری جس کے تین باب ہیں- عیسائیوں کی تصوفی الہیات کا سب سے بڑا مرکز رہے ہیں- ان تحریرات کا سب سے پہلے حوالہ 532ء میں ملتا ہے- جب یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ ڈائی اونائی سس اریوپے گائٹ سینٹ پال کے ایک شاگرد کی تصنیف ہیں- یا کم از کم اس کی تعلیم کو پیش کرنے میں متعدد مقامات پر مصنف ہیرو تھیس کو اپنا استاد بتاتا ہے اور اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کی اصل ایک شامی راہب بنام اسٹیفن بارسودیلی سے ہے- جو ہیرو تھیس کے نام کے تحت لکھا کرتا تھا- یہ بارسودیلی اڈیسا کی ایک خانقاہ کا صدر تھا- اور اس کا جیمس ساکن ساروغ سے مباحثہ ہوا تھا اس لئے ہم ان تحریرات کو پانچویں صدی عیسوی سے منسوب کر سکتے ہیں- یونانی میں پہلی مرتبہ شائع ہونے کے بعد ان کا ترجمہ سریانی میں ہو گیا اور چونکہ شامی عیسائی ان سے واقف تھے- اس لئے مسلمان بھی ان سے واقف ہو گئے ہوں گے- ہمارے پاس اس امر کی کوئی راست شہادت موجود نہیں ہے کہ ان کا عربی میں ترجمہ ہوا-

تفسیر الشیخ الاکبر

غیر اسلامی تصوف کے رواج میں اس سلوک کا بڑا دخل ہے-

جو حضرات صوفیہ نے قرآن کریم کی آیات کے ساتھ کیا ہے- یہ سلوک شعوری تھا یا غیر شعوری' صحیح تھا یا غلط اس کا آخری فیصلہ قیامت میں ہو گا- آخرکار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے- پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو-

اس کے تحت ایک خدا پرست مفسر نے لکھا ہے-

جو اختلافات انسانوں نے اپنے جمود' تعصب' ہٹ دھرمی اور ذہن کی اپج سے خود پیدا کر لئے ہیں- ان کا آخری فیصلہ نہ مجلس مناظرہ میں ہو سکتا ہے نہ میدان جنگ میں' آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا جبکہ حقیقت بے نقاب کر دی جائے گی اور لوگوں پر منکشف ہو جائے گا کہ جن جھگڑوں میں وہ عمریں کھپا کر دنیا سے آتے ہیں ان کی تہ میں حق کا جوہر کتنا تھا اور باطل کے حاشیے کس قدر-

Marfat.com

سورہ انعام میں فرمایا گیا ہے۔

ہر شخص جو کماتا ہے۔ اس کا ذمہ دار خود ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ اس وقت وہ تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دے گا۔ یعنی کسی انسان کے غلط افکار و اعمال کی ذمہ داری کسی دوسرے پر نہیں ہے۔ وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اور جو لوگ غلط اور صحیح کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول پاکؐ کے ارشادات پر آپ کی سیرت سے کرنا نہیں چاہتے۔ ان کے اختلافات کا آخری فیصلہ آخرت میں خود اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل علم آج بھی ابن عربی کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ بعض محققین نے اس کتاب کے بارے میں دو باتیں لکھی ہیں ایک یہ کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی طرف اس کتاب کا انتساب غلط ہے۔ یہ کمال الدین کاشی کی لکھی ہوئی کتاب ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ تفسیر قرآن نہیں ہے بلکہ بہت سی آیات قرآن کی تاویل ہے۔ یہ دوسری بات خود مؤلف نے کتاب کے دیباچے میں لکھی ہے۔ پہلی بات کے بارے میں اس نے خود کوئی تحقیق نہیں کی ہے۔ یوں بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ یہ تاویلات کے پردے میں جو فلسفیانہ تصوف اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ شیخ اکبر کی مسلمہ کتابوں فصوص الحکم اور الفتوحات مکیہ میں موجود ہے۔ نیز یہ کہ جزوی اختلاف کے ساتھ تمام "وجودی" صوفیہ کی کتابوں میں یہ باتیں ملتی ہیں۔ خواہ وہ وحدۃ الوجود کے قائل ہوں یا وحدۃ الشہود کے۔۔۔۔ ان کے تاویلات نے مسلم معاشرے میں فلسفیانہ اور غیر اسلامی تصوف کو رواج دینے میں مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ ہم یہاں معنوی تحریفات کا اندازہ لگانے کے لئے چند مثالیں پیش کریں گے۔ پوری کتاب پر تبصرہ مقصود نہیں ہے۔

دیباچہ میں مصنف نے جو باتیں لکھی ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ان کے نزدیک قرآن کی تفسیر بالرائے پر جو وعید آئی ہے۔ اس کا تعلق قرآن کے ظاہر یعنی اس کی تفسیر سے قرآن کے باطن یعنی اس کی تاویل سے نہیں ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ تاویلات اپنے اپنے کشف و وجدان کی بنا پر بدلتی رہی ہیں۔ اور بدل سکتی ہیں مصنف نے اپنی ان باتوں پر نہ کوئی عقلی دلیل پیش کی ہے اور شرعی بلکہ صرف اپنی

Marfat.com

ذہنی کی اختراع کے طور پر اسے پیش کیا ہے۔

قرآن عزیز جو تاقیام قیامت پوری نوع انسان کے لئے کتاب ہدایت اور انسانی زندگی کا دستور ہے اس کی آیات کی ایسی تاویلات کو جو مفسرین قرآن کی تفسیرات' منشا و مقاصد' آیات' سیاق و سباق یہاں تک کہ لغت عرب کے بھی خلاف ہوں' اس دلیل سے جائز قرار دیا جا سکتا ہے قرآن کریم کی تفسیر بالرائے پر جو وعید آئی ہے۔ وہ بدرجہ اونیٰ گمراہ کن تاویلات پر بھی صادق ہے میں نے جب بعض بزرگوں کا یہ قول پڑھا تھا کہ وہ چاہیں تو پوری ہدایہ (فقہ کی مشہور کتاب) کی تشریح معرفت و سلوک کے مسائل سے کر سکتے ہیں تو مجھے حیرت ہوئی تھی۔ لیکن اس کتاب کی تاویلات پڑھ کر حیرت دور ہو گئی اور معلوم ہوا کہ آیات قرآن کی تحریف معنوی کا کام بھی بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔

اس کتاب کے مصنف نے فنا اور بقا اور وحدۃ الوجود کو اپنے تصوف کا محور بنایا ہے۔ اور اسی محور پر قرآن مجید کو گردش دینے کی سعی کی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاویلات کی مثالیں پیش کرنے سے پہلے اس وجودی نظریہ تصوف کا مختصر تعارف کرا دیا جائے جو اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ فلسفیانہ اصطلاحات اور تفصیلات سے قطع نظر کر کے اگر وجودی تصوف کا خلاصہ بیان کرنا ہو تو وہ یہ ہو گا۔

سالک راہ سلوک میں ترقی کرتا ہوا آگے بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ مقام فنا پر پہنچ کر فانی فی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس کا پہلا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو دوسرا وجود عطا کرتا ہے۔ اور دوبارہ اپنی ذات سے الگ کر کے اس کو دنیا کی طرف واپس کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ باقی باللہ ہو جاتا ہے۔ اس دوسرے وجود کے لئے مصنف نے الوجود الوہوب الحقانی کا جملہ وضع کیا ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے عطا کردہ حقانی وجود کے لحاظ سے وہ ایک مقام کو الجمع کے اصطلاح سے بیان کرتے ہیں اس مقام میں اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ یہاں وہ خود ہی عابد خود ہی معبود خود ہی آمد خود ہی مامور' خود ہی شاہد اور خود ہی مشہود ہے۔ خود کوزہ خود کوزہ گر و خود گل کوزہ۔ وجود ہی کے اعتبار سے دوسرے مقام کو وہ "التفصیل" کی اصطلاح سے پیش کرتے ہیں۔ اسی

Marfat.com

مقام کے لحاظ سے یہ پوری کائنات موجود ہے۔ اور ذات الٰہی سے جدا ہے۔ لیکن اس کا وجود محض اعتباری اور وہمی ہے۔ یہ وہمی جدائی بھی انسان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اس لئے مصنف اس کے اس وجود کو اکبر الکبائر (سب سے بڑا) قرار دیتے ہیں اللہ کی صفات کے بارے میں مولف کا نظریہ یہ ہے کہ وہ عین ذات ہیں۔ یہ ہے ان کے تصوف کی بنیاد جس پر فلسفیانہ تصوف کی پوری ایک عمارت بنائی گئی اور ایک پورا فن مرتب کیا گیا ہے۔ (تصوف اور اہل تصوف۔ ص۔ 966-969)

پچھلے صفحات میں یہ بات بڑی وضاحت سے ثابت کی جا چکی ہے کہ انسان میں ایک روح حیوانی اور دوسری روح انسانی ہے۔ روح حیوانی کا تعلق اس سے جیسے سینے میں ہر وقت دل دھڑکتا ہے۔ روح جسم انسانی میں تدبیر و تقدیر کا کام سرانجام دیتی ہے۔ حواس خمسہ ظاہرہ کا تعلق اسی روح سے ہے۔ روح حیوانی روح انسانی کی سواری ہے۔ جو اپنے تمام کام روح حیوانی سے لیتی ہے چنانچہ جب تک عناصر اربعہ کا اعتدال باقی رہتا ہے وہ صورت جسیمہ میں باقی رہتی ہے۔ اور جہاں کسی جز کی کمی بیشی ہوئی۔ وہ اس سے الگ ہو جاتی ہے اور ایسی روح حیوانی موت کا باعث ہوتی ہے پھر اس معتدل مزاجی کے سلسلہ کو درہم برہم کرنے کے لئے خدا کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے۔ جسے ہم ملک الموت کہتے ہیں۔ جب ملک الموت روح حیوانی کو فنا کر دیتا ہے۔ تو انسان مر جاتا ہے۔ اور روح انسانی باقی رہتی ہے۔ اسے ملک الموت قبض کر کے جہاں اسے لے جانے کا حکم ہوتا ہے وہاں پہنچا دیتا ہے۔ روح انسانی کو جسم ظاہری کا ہتھیار صرف معرفت الٰہی کے حصول کے لئے بخشا گیا ہے۔ اگر انسان نے جسم ظاہری کو ریاضت و مجاہدہ میں رکھ کر عرفان حق حاصل کر لیا ہے تو جسم انسانی کا فنا ہو جانا روح انسانی کی فلاح کا باعث ہے۔ کیونکہ اس نے اپنا حقیقی مقصد حاصل کر لیا ہے۔ اب روح انسانی کا جو تصرف روح حیوانی پر تھا ختم ہو گیا اب روح انسانی تنہا رہ گئی گویا بغیر سواری اور بغیر آلات کے ہو گئی۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ جسم کی ترکیب میں جو اعضاء کام کرتے ہیں۔ وہ خود کسی فعل کا سبب نہیں ہو سکتے بلکہ وہ بمنزلہ آلات ہیں جب یہ اعضاء صحیح طور پر کار آمد رہتے ہیں۔ تو روح انسانی کا تصرف ان پر رہتا ہے۔ جب یہ بیکار ہو جائیں یا کسی حادثہ کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ جائیں تو روح کا بدن پر سے تصرف

Marfat.com

اٹھ جاتا ہے۔ اور بدن اس کا آلہ نہیں رہتا۔ مثال کے طور پر گنجہ پن کے یہ معنی ہیں کہ ہاتھ روح کا آلہ بننے سے نکل گیا اور اس کے کام کا نہ رہا اسی طرح موت سے انسان مارے اعضاء کا اپاہج ہو جاتا ہے۔ گویا اس کا آلہ کار نہ رہا۔ اور انسان کی حقیقت جو اس کی روح ہے۔ وہ بدستور موجود رہتی ہے۔ الحاصل یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ گئی کہ موت روح انسانی کے فنا ہو جانے کا نام نہیں۔ بلکہ موت روح کا جسم انسانی میں تدبیر و تعزیہ کا تعطل کا نام ہے۔ چنانچہ اس پر چند علماء کرام کے اقوال سے ثبوت پیش کرتا ہوں۔ امام عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں۔

روحیں مرتی نہیں بلکہ زندہ آسمان کی طرف اٹھا لی جاتی ہیں۔ بلال بن سعد سے راوی ہیں کہ وہ اپنے وعظ میں فرماتے ہیں اے ہیشگی والو' اے بقاء والو تم فنا کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔ بلکہ دوام و ہیشگی کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ لیکن تم ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتے ہو۔ جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں۔

علماء نے فرمایا ہے کہ موت کے یہ معنی نہیں کہ آدمی محض نیست و نابود ہو جائے۔ بلکہ وہ تو روح و بدن کے تعلق کا انقطاع' ان میں حجاب و جدائی' تغیر حال اور ایک گھر سے دوسرے گھر چلے جانے کا نام ہے۔

جو معارف یا کمالات علمی روح نے اس دنیا میں رہ کر حاصل کئے تھے۔ وہ بعد از مفارقت بدن اس سے سلب نہیں کئے جاتے۔ بلکہ ان علوم و معارف میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور روح کے اوراکات وسیع ہو جاتے ہیں۔ ہاں روح سے وہ افعال و اعمال سلب ہو جاتے ہیں جو بدن کے وسیلے سے کرتی تھی۔ دنیا میں روح مادی کانوں' آنکھوں اور زبان کی محتاج تھی۔ کیونکہ مادیات کو سنانا اور دکھانا مقصود تھا۔ جب مادہ سے مفارقت ہوئی تو مادی آلات سلب ہو گئے۔ مگر روح میں بولنے' سننے اور دیکھنے کی قوت باقی رہی۔ یہ روح کی ذاتی صفات ہیں۔ پس روح زندہ ہے۔ دیکھتی ہے۔ سنتی ہے۔ کلام کا جواب دیتی ہے۔ اس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ حضرت امام غزالی احیاء العلوم فرماتے ہیں۔

یہ گمان نہ کرنا کہ موت سے تیرا علم تجھ سے جدا ہو جائے گا کہ موت محل علم یعنی روح کا تو کچھ نہیں بگاڑتی نہ وہ نیست و نابود ہونے کا نام ہے کہ تو سمجھے جب تو نہ

Marfat.com

رہا تیرا وصف یعنی علم و ادراک بھی نہ رہا۔

تو اس نے کہا کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوم نے جو سلوک اس مرد مومن کے ساتھ کیا تھا۔ وہ اسے یاد تھا۔ اس نے یہ بات بھی اظہار افسوس کے طور پر کہی۔

امام سفی محدۃ الاعتقاد میں اور علامہ نابلسی حدیقہ تدیہ میں فرماتے ہیں۔ مرنے سے روح میں کچھ تغیر تبدل نہیں آتا۔ بے شک روح جب اس قالب سے جدا اور موت کے باعث دیگر قیود سے رہا ہوتی ہے۔ جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اگرچہ مومنوں کی روحیں زائرین قبور کو ہمیشہ جانتی پہچانتی ہیں۔ لیکن جمعہ کے روز خاص طور پر قبور کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ اور قریب آ جاتی ہیں اس لئے دور سے دیکھنے کی بجائے نزدیک سے دیکھنا زیادہ قوی ہوتا ہے۔ روح کی شان یہ ہے کہ وہ اگرچہ جدائی میں ہوتی ہے۔ پھر بھی بدن کے ساتھ ایک خفیف سا تعلق ہوتا ہے جس سے سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دیتی ہے کیونکہ روح نہ قرب و بعد مکانی نیست اس کا حال جسم جیسا نہیں ہوتا۔ اس پر قیاس کیا جائے کہ جب وہ ایک مکان میں ہو تو اسی وقت دوسرے میں نہیں ہو سکتی۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں نقل فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہ السلام کا جواب سلام سے مشرف فرمانا تو حقیقی ہے کہ روح بدن سے ہے۔ اور انبیاء و شہدا کے سوا اور مومنین میں یوں ہے کہ ان کی روحیں اگرچہ بدن میں نہیں۔ تاہم بدن سے ایسا اتصال رکھتی ہیں جس کے باعث جواب سلام پر انہیں قدرت ہے۔

روح ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جو مرنے کے بعد بذات خود قائم رہتی ہے اور اس کا وجود جسمانی مثالی صورت میں مادی اجسام سے مجرد رہ کر ادراک کرتا رہتا ہے۔ ہاں اس کی صورت عالم خیال کی ایک صورت سمجھی جاتی ہے۔ شرح الصدور میں منقول ہے۔ جو دلائل قرآن و حدیث لکھ کر کہا ہے۔

"ان سے ثابت ہوا کہ روحیں اجسام ہیں اپنے اوصاف شناخت و ناشناخت وغیرہ

Marfat.com

کی حال جو بذات خود ادراک و تمیز رکھتی ہیں۔"

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ انسانی روحیں ایک دوسرے سے متمیز ہیں۔ اور اپنی شکلیں رکھتی ہیں۔ اور بدن سے علیحدہ ہونے پر باہم متعارف ہوتی ہیں کیونکہ اہل السنت اس بات کے قائل ہیں کہ روح ایک ایسی ذات ہے۔ جو بذات خود قائم ہے۔ اوپر نیچے کی طرف آمد و رفت کرتی ہے۔ اور اپنے بدن سے ایک ایسی صورت حاصل کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دوسری روحوں سے متمیز ہوتی ہے۔ کیونکہ روح بدن سے اسی طرح متاثر ہوتی ہے۔ جس طرح بدن روح سے اور ایک کے نیک و بد کا اثر دوسرے پر ہوتا ہے۔ بلکہ جسم سے علیحدہ ہونے پر ارواح کا متمیز ہونا اور بھی زیادہ واضح ہوتا ہے۔ ملائکہ جو مادی کیفیات سے عاری ہوتے ہیں۔ باہم متمیز ہیں۔ تو انسانی روحیں کیونکر متمیز نہ ہوں گی۔

روح کی مختلف صورتوں میں منقلب ہونے سے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ اس صورت میں روح کے لئے تجرد کیسے ہوا کیونکہ تجرد سے مراد اس عالم مادی سے تجرد کا حاصل ہونا ہے۔ نہ کہ جمیع عوام سے جبکہ اس عالم دنیا کے علاوہ اور بھی بہت سے عوالم ہیں۔ جن میں بعض بعض کی نسبت زیادہ لطیف ہیں اور وہ سب کے سب اس عالم مادی سے بالکل علیحدہ نوعیت کے ہیں۔

لفظ برزخ قرآن کریم میں جہاں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ حاجب اور حائل مراد ہے۔ جیسے سورۃ رحمٰن میں دو دریاؤں کا ذکر ہے۔ جن میں ایک میٹھا اور دوسرا کھاری ہے۔ اور ان کے بیچ میں ایک پردہ حائل ہے۔ جو انہیں آپس میں ملنے نہیں دیتا۔ ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہے۔ اور ان میں سے ایک دوسرے پر تجاوز نہیں کرتا۔

اس بناء پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل ہے۔ وہ حاجب ہے۔ اس کا نام برزخ ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ موت دو قسم کی زندگی کے درمیان ایک حالت برزخی کا نام ہے۔

عربوں بلکہ کل سامی قوموں کے رسم و رواج اور مشاہدات کی بناء پر اسی درمیانی

Marfat.com

منزل (برزخ) کا نام قبر ہے۔ خواہ وہ خاک کے اندر ہو یا قصر دریا میں یا کسی درندہ و پرندہ کے پیٹ میں۔

اسی لئے فرمایا۔

بے شک اللہ انہیں جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ بعثت صرف انہی متردوں کے لئے مخصوص نہیں جو تو وہ خاک کے اندر دفن ہوں' بلکہ ہر میت کے لئے ہے۔ خواہ وہ کسی حالت یا کسی عالم میں ہو۔ اس لئے قبر سے مقصود ہر وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی ہو۔

قرآن پاک میں دو اموات اور دو زندگیوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک جگہ دوزخیوں کی زبان سے کہا گیا ہے۔

"ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دو دفعہ مارا اور دو دفعہ جلایا۔"

ان پر دو موت و حیات کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمائی ہے۔

"تم کیسے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تم پہلے مردہ تھے۔ پھر تم کو اس نے زندہ کیا (انسان بنا کر پیدا کیا) پھر تمہیں مارے گا۔ پھر تمہیں جلائے گا۔"

پہلی موت تو ہر انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے۔ جب وہ مادہ یا عنصر کی صورت میں تھا۔ پھر زندہ۔ سورہ بقرہ آیت 198 اس کی تاویل میں پرواز تخیل ملاحظہ کیجئے لکھا ہے۔

اولاً اللہ نے زبان سے ذکر کی ہدایت کی ہے جو نفس کا ذکر ہے پھر اس نے دل سے ذکر کی ہدایت کی ہے۔ جو ان افعال کا ذکر ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات صادر ہوتے ہیں۔ اور پھر اس نے ذکر سر کی ہدایت کی ہے۔ اور وہ افعال کا معائنہ ہے۔ اور تجلیات صفات کا مکاشفہ ہے۔ پھر اس نے فکر روح کی ہدایت کی ہے۔ اور وہ تجلیات صفات کے انوار کا مشاہدہ ہے۔ نور ذات کے ملاحظہ کے ساتھ پھر ذکر خفی کی ہدایت اور وہ مشاہدہ جمال ذات ہے۔ بقارا سیت (دوئی) کے ساتھ۔ پھر اس نے ذکر ذات کی ہدایت کی ہے۔ اور وہ شہود ذاتی ہے۔ بقیہ کے پردے کو اٹھا کر ارتقاع البقیہ کی اصطلاح ارتقاع الاینیہ کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ یعنی جب دوئی ختم ہو جاتی ہے

Marfat.com

اور سالک ذات الٰہی میں گم ہو جاتا ہے۔ اس گم شدگی کے لئے مصنف نے ''شہود ذاتی '' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ مشاہدہ اور شہود ذاتی میں یہ فرق ہے کہ مشاہدہ میں دوئی باقی رہتی ہے۔ اور شہود ذاتی میں دوئی ختم ہو جاتی ہے۔

ذکر کی مذکورہ بالا چھ اقسام میں سے صرف زبان سے ذکر کی صراحت و ہدایت قرآن اور احادیث میں موجود ہے۔ ذکر صرف قلبی کی بھی کوئی تعلیم نبی پاکؐ نے نہیں دی ہے۔ حضور قلب کے ساتھ ذکر لسانی کی تعلیم سے قرآن اور احادیث علو ہیں۔ بقیہ اذکار کا کوئی اشارہ بھی قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ ذکر سری وغیرہ کی ہدایت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بالکل غلط ہے۔

سورہ بقرہ کا آخری رکوع عقائد' اذعان و یقین' توبہ و استغفار اور بہترین دعا پر مشتمل ہے۔ لیکن تاویلات کے موجد نے اس میں بھی اپنا خیالی فلسفہ داخل کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

مثلاً ''مالک ہم تم سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری طرف پلٹنا ہے۔ کی تاویل ملاحظہ فرمایئے۔

''یعنی ہمارے وجود اور ہماری صفات کی مغفرت فرما۔ اور ہمارے وجود اور ہماری صفات کو اپنے وجود اور اپنی صفات سے محو کر دے اپنے اندر ہم کو فنا کر کے۔''

آگے واغفرلنا کا جو فقرہ ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے۔

ہمارے وجود کے گناہ کو بخش دے۔ اس لئے کہ ہمارا وجود ہی سب سے بڑا گناہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے جب میں نے اپنی معشوقہ سے کہا کہ میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا۔ تیرا وجود ہی ایسا ہے جس پر کسی دوسرے گناہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

فنا فی اللہ کے بعد اب بقا باللہ کا جلوہ دیکھئے وارحمنا کی تاویل یہ ہے۔

''یعنی ہم پر رحم کر فنا کے بعد ایک دوسرا وجود عطا کرے۔''

اکبرا لکبائر

پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ انسان کے وجود کو سب سے بڑا گناہ کہا گیا ہے۔ اس

Marfat.com

کی ایک مثال اور پیش کی جاتی ہے۔ سورۃ نساء کی آیت 31_ "اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہے جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے۔ اگر تم بچتے رہے غیر اللہ کے وجود کے اثبات سے جو شرک ہے۔ ذات کے لحاظ سے بھی صفات کے لحاظ سے بھی۔ اور فعل کے لحاظ سے بھی اس لئے کہ اکبر الکبائر اللہ تعالٰی کے وجود کے علاوہ کسی غیر کے وجود کو ثابت کرنا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ تیرا وجود گناہ ہے۔ جس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ پھر ذات پر صفات کا اضافہ کر کے ذات الٰہی میں دوئی کا اثبات بھی گناہ ہے۔ جیسا کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے کہا ہے۔ اور جیسا کہ یہ کہا ہے کہ اللہ کے لئے اخلاص یہ ہے کہ صفات کی اس سے نفی کی جائے۔

یہ نظریہ وحدۃ الوجود کا حقیقی اور واضح بیان ہے۔ اس عبارت کا حاصل یہ ہے۔

1- غیر اللہ کے وجود کا اثبات شرک ہے۔ ذات' صفت اور فعل ہر لحاظ سے صرف اللہ موجود ہے۔ کوئی شخص اگر ذات یا صفات یا افعال کے لحاظ سے کسی غیر کا وجود تسلیم کرتا ہے۔ تو شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

2- غیر اللہ کے وجود کا اثبات شرک اس لئے ہے کہ سب سے بڑا گناہ یہی ہے۔ کہ اللہ تعالٰی کے وجود کے سوا کسی دوسرے وجود کو ثابت کیا جائے کیوں کہ کہا گیا ہے کہ تیرا وجود ہی ایسا گناہ ہے جس پر کسی دوسرے گناہ کو تلپا نہیں جا سکتا۔

3- ذات الٰہی ایک ایسی وحدت ہے کہ اس پر اس کی صفات کو ماننا بھی شرک ہے۔ اس لئے کہ یہ ذات میں دوئی کا اثبات ہے۔

4- یہ بات امیرالمومنین علیہ السلام نے کہی ہے۔

5- انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ کے لئے اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفات کی نفی کی جائے۔

دین اسلام کا علم رکھنے والا کوئی مسلمان یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ کسی متبع شریف عالم دین نے یہ عبارت لکھی ہو گی بہرحال یہ حقیر اس عبارت کا مختصر جائزہ لیتا ہے۔ لکھنے والا کوئی ہو۔

الف۔ قرآن میں شرک کو ظلم عظیم اور ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس جرم کی پوری وضاحت کر دی جائے۔ اب سوال یہ ہے

Marfat.com

کہ کیا قرآن میں یا احادیث نبوی میں کہیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غیر اللہ کے وجود کو تسلیم کرنا شرک ہے۔ اتنا شدید جرم محض کسی شخص کی بے دلیل اور نامعقول تاویل سے تو ثابت نہیں ہو سکتا۔

ب۔ یہ بات قرآن کی کس آیت میں کہی گئی ہے کہ غیر اللہ کے وجود کو تسلیم کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ کیا ایک شاعر کا شعر کوئی آیت یا کوئی ارشاد نبوی ہے۔

ج۔ اللہ تعالیٰ سے صفات کی نفی فلاسفر اور معتزلہ کا نامعقول خیال ہے۔ شریعت اسلامی کو محور بنانے والے کسی امام نے اسے تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ سب نے اس کو مردود قرار دیا ہے۔ یہ صرف ان صوفیوں کی بکواس ہے۔ جو فی الواقع یونان کے اشراقی فلاسفر کے شاگرد ہیں۔ خواہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی متبع سنت اور متبع شریعت قرار دیں۔

د۔ امیرالمومنین سے مراد غالباً حضرت علی ہیں۔ ان کی طرف ان دونوں اقوال کا انتساب بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اب ہم ایک دوسرے پہلو سے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

1- شرک کا وجود ہی دوئی پر موقوف ہے۔ یعنی کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اور حقوق میں شریک کرنا اور جب اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں تو پھر شرک کا کہیں وجود ہی نہیں۔ اور اس طرح پورا قرآن کیا باقی رہے گا جو شرک کی تردید اور توحید کے اثبات سے بھرا ہوا ہے۔

2- ایک طرف غیر اللہ کے وجود کے اثبات کو شرک کا قرار دینا اور دوسری طرف انسان کے وجود کو سب سے بڑا گناہ کہنا کھلا ہوا تضاد ہے یا نہیں؟ جب وجود ایک ہی ہے تو پھر انسان کا وجود کہاں ہے۔ جو گناہ قرار پائے۔ اس کے علاوہ سوال یہ بھی ہے کہ اگر انسان کا وجود سب سے بڑا گناہ ہے تو اس کا ارتکاب کس نے کیا ہے۔ انسان اس دنیا میں خود پیدا نہیں ہوا۔ پیدا کیا گیا ہے۔ اب غور کیجئے کہ بات کہاں پہنچتی ہے۔

3- اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کو اپنی نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ اور انسان کے سر پر اپنی خلافت کا تاج زریں رکھا ہے۔ اس کو گناہ بلکہ سب سے بڑا گناہ قرار دینا، اللہ کے قول کی تردید ہے یا نہیں۔

4- "ایمان" اور اس کی تقسیم مصنف نے کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا انسانی وجود کے سب سے بڑے گناہ سے ایمان کا سب سے بڑا ثواب پیدا ہوتا ہے۔

Marfat.com

5- اگر یہ سب محض خیالی فلسفہ ہے۔ جب بھی کوئی معقولیت تو ہونی چاہئے۔ آخر یہ کس قسم کا بے ہنگم اور نامعقول فلسفہ ہے۔ (تصوف اور اہل تصوف۔ ص۔ (292-286

Marfat.com

بایزید بسطامی

ابو یزید یا بایزید بسطامی (متوفی 460ھ) کی تعلیم بھی اس کے بہت مشابہ تھی یہ بھی مجوسی النسل تھے۔ وحدت الوجودی عنصر کی بہت صراحت کے ساتھ تعریف کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا بحر ذخار ہے۔ وہ خود عرش، لوح محفوظ، قلم، کلمہ (یہ تمام تمثیلات قرآن سے ماخوذ ہیں) ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور جبریل تھا۔ کیونکہ وہ سب لوگ جن کو وجود حقیقی حاصل ہوتا ہے۔ خدا میں جذب ہو کر اس کے ساتھ متحد ہو جاتے ہیں۔

وحدت الوجود نظریات اور نظریہ حلول صوفیا کی تعلیم میں اکثر آتے ہیں۔ لیکن یہ عام نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم صوفیاء کی تعلیم کو صحیح طور پر تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کر سکتے۔ بلکہ عام اصول اور میلانات کو بیان کر سکتے ہیں۔ صوفیاء کا کوئی علیحدہ فرقہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ محض تصوفی میلانات کے دلدادہ ہوتے ہیں اور علم اسلامی کے تمام شعبوں میں پھیلے ہوتے ہیں۔ ٹھیک یہی حالت عیسائیت میں ہے۔ جہاں تصوف انتہا پسند پروٹسٹنٹ فرقوں میں بھی ہے اور کیتھولک کلیسا کی فکری جماعتوں میں بھی، اور اس میں مذہبی اختلافات کے باوجود بہت کچھ مشترک مواد پایا جاتا ہے۔ صرف یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ تصوف کی اس وقت تک کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ جب تک کہ روح انسانی اور خدائے تعالیٰ کے مابین اس وقت کے علائق فرض نہ کئے جائیں۔ جن کا نو افلاطونیت سے اشارہ ملتا ہے۔ صحیح معنی میں، عیسائی تصوف کی ابتداء مغرب میں اس وقت تک نہیں ہوئی۔ جب تک سوڈو ڈائی اونائی سس کی تصانیف کا نویں صدی عیسوی میں لاطینی میں ترجمہ نہیں ہو جاتا۔ اور اسلامی تصوف کی ابتداء الہیات ارسطو کے ترجمے سے ہوتی ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ تصوف سے عام طور پر الہیات نہایت شدت کے ساتھ متاثر ہوتی ہے۔ تصوف کا میلان مذہبی

Marfat.com

آزادی کی طرف ہے۔ یہ نئے یہ شعوری یا غیر شعوری طور پر مقررہ تعلیم اور نظری الہیات اور فلسفے کے مخالف ہے۔

سطحی طور پر اسلامی تصوف بھی ایک فرقے کی حیثیت سے منظم ہو جاتا ہے۔ اکثر اوقات صوفیاء کے مختلف مدارج کا ذکر ہوتا ہے۔ لیکن یہ مدارج عہدوں کی صورت نہیں رکھتے۔ جیسا کہ اسمعیلیہ یا اس قسم کی دوسری جماعتوں میں ہے۔ بلکہ شخصی تقدس کے راستے میں تدریجی منزلوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس قسم کی اصطلاحات محض خیالی ہیں اور شائد یہ کسی فرقے سے ماخوذ ہیں۔ کیونکہ تصوف سب سے پہلے اور سب سے زیادہ آزادی کے ساتھ بعض شیعہ جماعتوں میں پھیلا تھا۔ طریقت کے مبتدی کے لئے عام طور پر معمول یہ تھا۔ اور اب بھی ہے کہ وہ خود کو کسی تجربہ کار روحانی پیشوا کی ماتحتی میں دے۔ جو اس کے استاد کی حیثیت سے عمل کرتا ہے۔ اور جسے شیخ مرشد یا پیر کہتے ہیں۔

باری تعالیٰ کا حقیقی وجود

صرف خدا ہی کا وجود ہے۔ اور صرف خدا ہی حقیقت ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام چیزیں فریب ہیں۔ توحید باری تعالیٰ کے نظریے کی یہ تصوفی تعبیر ہے۔ صحیح معنی میں خدا کے یہاں عقل فعال کے معنی ہیں۔ یعنی خدا کا اظہار جو خود ناقابل علم ہے۔ لیکن صوفی اس فلسفی امتیاز کو واضح نہیں کرتا یا دیدہ دانستہ مظہر خدا کو خدا کہتا ہے لیکن انسان میں ایک نفس ناطقہ ہے۔ جس سے خدا کو وہی نسبت ہے۔ جو عکس کو اس شے سے ہوتی ہے جس کا یہ عکس ہوتی ہے۔ اور یہ حقیقت الٰہی تک پہنچنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ چونکہ خدا کے علاوہ جو کچھ ہے۔ وہ محض دھوکا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ خدا کا علم جو حقیقت ہے۔ مخلوق اشیاء کے واسطے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس طرح سے صوفیاء افلاطونیوں کی طرح سے نفس ناطقہ کے فوری وجدان کو دلائل کی نسبت زیادہ اہمیت دینے لگے۔ اور اس طرح سے راست انکشاف کو اس شے پر فضیلت دینے لگے۔ جسے معمولاً عقل کہا جاتا ہے۔ یہ باتیں تصوف کی تمام اشکال میں مشترک ہیں اور ان کا نتیجہ یہ ہے کہ وجد یا اسی قسم کے روحانی تجربے کو سابقہ وصی کی

Marfat.com

اس تدوین پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جو قرآن میں مذکور ہے۔

مسئلہ حال یا مقام کو ذوالنون مصری نے بیان کیا تھا اور اس سے فنا یعنی اس دنیا کی اشیاء سے بے حسی مترشح ہوتی ہے۔ اور بالاخر بقا جو ذات باری کے اندر ہے۔ بالعموم اس قسم کے تجربے سے حس باطل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ صورت ہمیشہ نہیں ہوتی۔ اور صوفیا کے ایسے بہت سے قصے ہیں۔ جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مار پیٹ یا زخم کو بالکل محسوس نہیں کر سکتے۔ اور یہ بات قصے کی حد تک محدود نہیں ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں بھی درویش انتہائی تکالیف کو کامل خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ غالباً ایسے نفسیاتی قوانین ہیں۔ جنہیں اچھی طرح سے سمجھا نہیں گیا ہے۔ اور رفائی اور دوسرے سلسلوں کے درویش جو مشقیں کرتے ہیں۔ اس میں بھی یہی تصور مضمر ہوتا ہے۔ ذکر کے نام سے جو مشق مشہور ہے۔ اور جو قرآن 33‘ 41 کے اس حکم کے مطابق ہے کہ خدا کو اکثر یاد کیا کرو۔ حالت وجد کی طرف ترقی کرے کہ فلسفہ اس علم کو ترجیح دینے لگا ہے۔ جو ذاتی وجدان سے حاصل ہوتا ہے۔ اور بلاشبہ بعد کے فلاسفہ اسی قسم کے اثر سے وجد کو راست فہم حقیقت کا وسیلہ سمجھنے لگے ہیں۔

مسئلہ وحدۃ الوجود

روح کا مقصد خدا سے متحد ہونا ہے۔ اس نظریہ توحید کو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں شروع میں ہی اسلامی تصوفی الہیات میں بیان کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر نکلسن کی رائے ہے کہ صوفیاء کا انفرادی ذات کے وجود عام میں فنا ہو جانے کا تصور یقینی ہندی الاصل ہے۔ اس کے پہلے بڑے شارح ایرانی صوفی بایزید بسطامی تھے۔ جنہوں نے ممکن ہے۔ اس کو اپنے شیخ ابو علی سینا سے حاصل کیا ہو۔ لیکن یہ ایک ایسے نظریے کے پیش کرنے کا صرف جزئی طریقہ ہے۔ جس کا حلقہ بہت زیادہ وسیع ہے۔ اور کل تصوف تعلیم میں موجود ہے۔ جس میں نو افلاطونیہ بھی داخل ہیں۔ بلند ترین معنی میں یہ اخلاقیات صوفیاء کی بنیاد ہے۔ کیونکہ خیر کبریٰ کی اس طرح سے تعریف کی جاتی ہے کہ یہ انفرادی روح کے خدا کے ساتھ واصل ہونے پر مشتمل ہے۔ اور وہ تمام باتیں جو اس مقصد میں مزاحم ہوتی ہیں شر ہیں اور یہ بات عیسائی تصوف اور تصوف کی باقی تمام اقسام پر بھی

Marfat.com

یکساں صادق آتی ہے ہم قطعی طور پر یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وحدتی حالت کا نظریہ نو افلاطونیت یا بدھ مذہب سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ سب کی مشترکہ ملکیت ہے۔ اور خدا کی ماہیت اور روح انسانی کی نوعیت کے تصوفی مقدمات کا قدرتی نتیجہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نظریے کے بعض اجزاء سے ہندی جزئیات کا اظہار ہوتا ہو لیکن تصوفی نظریہ آرائی کے باقی تمام حصوں کی طرح سے اس میں بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الہیاتی نظام تیار کرنے کے لئے تعمیری نظریہ نو افلاطونی استعمال کیا گیا ہے۔ تصوف میں بھی یونانی ذہن نے مفروضات کی تحلیل و تعمیر میں اپنا اثر کیا ہے۔ (فلسفہ اسلام ص 210، 217)

Marfat.com

تیسرا باب

مختلف مشاہدات و احوال

سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی نے اپنی کتاب (انسان کامل) میں لکھا ہے!

بعض اولیاء کرام پر جو کچھ طاری ہوتا ہے تو مضطرب ہو جاتے ہیں' رو پڑتے ہیں' گڑگڑاتے ہیں' غمگین ہوتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ ان امور میں جو بطریق فضا ان پر وارد ہوتے ہیں اور بعض کا حال ان مذکورہ اشخاص کے برعکس ہوتا ہے' وہ نہ گڑگڑاتے ہیں' نہ غمگین ہوتے ہیں نہ اس سے حفظ طلب کرتے ہیں۔ جریان قدرت کے ماتحت صبر و سکون سے جدھر پھراتا ہے ادھر پھرتے ہیں اور یہ ان کی قوت کشف کی دلیل ہے اور یہ بہت بلند و بالا مقام ہے۔

سید عبدالکریم بن ابراہیم آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ پر اپنے کسی اسم میں تجلی فرماتا ہے تو اس اسم کے انوار میں بندہ کا اپنا وجود بیخ و بن سے اکھیڑا جاتا ہے' جب حق کو کوئی اس اسم سے پکارتا ہے تو بندہ بول اٹھتا ہے اس لئے کہ اس اسم کا اس پر وقوع ہوتا ہے اور تجلیات اسماء کا پہلا مشہد یہ ہے کہ حق تعالیٰ اسم موجود میں تجلی فرماتا ہے پھر بندہ پر اس اسم کا اطلاق ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اسم اللہ کی تجلی ہے۔ تجلیات اسماء میں لوگوں کی چند قسمیں ہیں ان میں سے بعض کا ہم ذکر کرتے ہیں اس لئے کہ اسماء بے شمار ہیں' پھر ہر اسم جس میں حق کی تجلی ہوتی ہے لوگوں کی حالت اس میں مختلف ہوتی ہے۔ اور وصول کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں پس ان سب کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

تجلیات کے بعض اقسام وہ ہیں جن پر حق بحیثیت اپنے اسم قدیم کے تجلی فرماتا ہے اور اس تجلی کا طریق یہ ہے کہ حق تعالیٰ وہ حالت اس پر منکشف فرماتا ہے اور اس علمی وجود کی کیفیت اس پر طاری کرتا ہے جو پیدائش عالم سے پہلے اس کی تھی۔ اس

Marfat.com

حالت میں اس کا خارجی وجود سلب کیا جاتا ہے- اور وہ اس علمی وجود سے موجود ہوتا ہے جو ازل میں علم الٰہی میں ثابت تھا- ظاہر ہے کہ اللہ کا علم قدیم ہے اور اس اعتبار سے جمیع موجودات علم الٰہی میں قدیم ہے- اپنے اسی اسم قدیم سے بندہ حق کی طرف رجوع کرتا ہے- (انسان کامل- سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی- ص- 100، 103، 106)

سید عبدالکریم آگے چل کر لکھتے ہیں!

جب حق تعالیٰ اپنی کسی صفت میں اپنے بندہ پر تجلی فرماتا ہے تو بندہ اس صفت کے ملک میں یہاں تک تیرتا ہے کہ بطریق جمال نہ بطریق تفصیل اس کی حد کو پہنچ جاتا ہے اس لئے کہ صفاتیوں کے لئے کوئی تفصیل نہیں ہے- صفات کی ان کو سیر بطریق اجمال ہوتی ہے-

پھر جب بندہ اس صفت کے فلک میں تیز چلتا ہے- اور بحکم اجمال اس کا کمال حاصل کر لیتا ہے تو اس صفت کے عرش پر قیام کرتا ہے اور اس سے موصوف ہوتا ہے- اس وقت اس سے ایک دوسری صفت آ ملتی ہے- پھر یہ سلسلہ برابر لگا رہتا ہے- یہاں تک کہ وہ جمیع صفات کا کمال حاصل کر لیتا ہے- حل اشکال کی صورت یہ ہے کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے کسی اسم یا صفت سے بندہ پر متجلی ہونا چاہتا ہے- تو اسے فنا کر دیتا ہے- ایسی فنا کہ اس کو اپنے نفس سے معدوم کر ڈالتا ہے- اور وجود سے اس کو سلب کر لیتا ہے- پھر جب نور عبدی مٹ جاتا ہے- اور روح خلقی فنا ہو جاتا ہے- تو حق تعالیٰ بندہ کی ہیکل میں بدوں حلول اپنی ذات کا ایک لطیفہ اس چیز کے بدلے قائم کر دیتا ہے- جو اس سے اس نے چھینی ہے- وہ لطیفہ اس بندہ سے نہ جدا ہوتا ہے- نہ اس سے متصل- اس لئے کہ اپنے بندوں پر اس کا تجلی کرنا بطور اس کے فضل وجود کے ہے- اگر وہ ان کو فنا کر کے اس کا عوض کو ان نہ دے- تو یہ ایک قسم کا عذاب ہے جو شایان شان باری نہیں- اس لطیفہ کا نام روح القدس ہے- پھر جب بندہ کے عوض خدا اپنی ذات کا ایک لطیفہ قائم کر دیتا ہے تو تجلی اس لطیفہ پر واقع ہوتی ہے- پس حق کی تجلی اپنے ہی نفس پر ہوتی ہے- بعض لوگوں پر خدا تعالیٰ اپنی صفت حیات سے متجلی ہوتا ہے پھر اس وقت بندہ جمیع عالم کی حیات بن جاتا ہے! جمیع موجودات اجسام و ارواح میں وہ اپنی زندگی کو سرایت کئے ہوئے دیکھتا ہے، معانی اور ان کی

Marfat.com

صورتوں کو دیکھتا ہے کہ اس سے ان کی زندگی ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہے پھر وہاں مثل اقوال و اعمال کے کوئی معنی نہیں ہے۔ اور مثل ارواح کے کوئی صورت لطیفہ نہیں ہے۔ جب خدا علمی تجلی فرماتا ہے تو بندہ ہر چیز کا مزہ چکھتا ہے۔ اور جب خداوندی کریم کسی پر صفت بصری کی صورت میں تجلی فرماتا ہے تو بندہ کی آنکھ مرکز علم و بصیرت بن جاتی ہے۔

اصل بیعت یوں انقیاد اور اعتقاد کا نام ہے کہ ایک شخص راہ بتانے والا ہو اور دوسرا اس کی تابعداری کرنے والا' ہاتھ میں ہاتھ دینا محض طالب کی تسلی کے لئے ہوتا ہے۔ تاکہ اس کو اطمینان ہو جائے کہ فلاں بزرگ کے ساتھ ایک خصوصیت ہو گئی۔

طریقت کا اصل مقصود اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال کی خبر گیری ہے۔ شیخ کامل کی پہچان یہ ہے کہ وہ شریعت کا پورا پورا متبع ہو۔ بدعت و شرک سے محفوظ ہو جہل کی بات نہ کرتا ہو۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر یہ ہو کہ دنیا کی محبت گھٹے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھے۔ توجہ الی اللہ حاصل ہو۔ اور جو بھی اپنا باطنی مرض اس کے سامنے بیان کیا جائے۔ وہ اسے پوری توجہ سے سنے اور اس کے علاج کی طرف متوجہ ہو۔

توجہ کے دو طریقے ہیں۔ اول مرید کی اصلاح کی خاطر اس میں ذوق و شوق اور محبت حق و خوف وغیرہ اخلاق باطن کے حصول کے لئے حق تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ اور وعظ و نصیحت اور تلقین کے ذریعہ مرید کی طرف توجہ رکھی جائے۔ یہ طریقہ توجہ مستحسن اور سنت نبوی کے عین مطابق ہے۔ دوسرا طریقہ جو عام طور پر مستوفین میں رائج ہے۔ وہ یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کو تمام خیالات و خطرات سے خالی کر کے خاص طور پر مرید کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اس میں تصور بقصد تصوف ہوتا ہے۔ اور توجہ کے اس طریق میں درحقیقت فاعل اور مؤثر قوت برقیہ ہوتی ہے۔ جو ہر انسان میں قدرتاً" ودیعت رکھی گئی ہے۔ یہ قوت برقیہ زمین میں بھی بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ بغیر تار کے جو خبریں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائی جاتی ہیں ان کا ذریعہ بھی یہی قوت برقیہ ہے۔ نظر لگنے سے جو اثر ہوتا ہے وہ بھی دراصل یہی قوت برقیہ ہے۔ درحقیقت مسمریزم اور اس توجہ متعارف کا منشاء اور ماخذ ایک ہی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ایک بڑی جگہ استعمال کی جاتی ہے۔ اور دوسری اچھی جگہ کام آتی ہے۔ یہ طریقہ

Marfat.com

مشق پر موقوف ہے۔ بعض مشائخ اس طریق توجہ سے بہت زیادہ کام لیتے ہیں لیکن یاد رہے کہ اس کا نفع دیر تک باقی نہیں رہتا۔ اور طالب فوری کیفیت کو کافی سمجھ کر اس پر اکتفا کر کے کام چھوڑ دیتا ہے۔

ایمان اور عمل صالح سے غذائے روحانی کا حصول

جس طرح پیٹ کی غذا ماکولات و مشروبات' آنکھ کی غذا مبصرات اور کان کی مسموعات الگ الگ ہے۔ اسی طرح دل کی بھی ایک غذا محبت ہے۔ درحقیقت دل کی غذا سوائے محبت کے اور کچھ نہیں اس کو صرف محبت ہی میں مزہ اور لذت ملتی ہے۔ پس محبوب کے نقص و کمال کی وجہ سے محب کی لذت بھی ناقص کامل ہو گی ایمان اور عمل صالح سے دنیا میں ہی روح کو غذائے روحانی مل جاتی ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی محبت کامل حاصل ہو جاتی ہے۔ جس سے بڑھ کر دل کے لئے اور کوئی غذا نہیں۔ ایمان اور عمل صالح سے قبولیت و محبوبیت تامہ پیدا ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ غیر معاند کفار کے قلوب میں بھی ایسے بندگان خدا کی عظمت ہوتی ہے۔ بلکہ وحشی جانور بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ حضور پاکؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ قافلہ سے علیحدہ ہو کر راستہ بھول گئے۔ رات کو راستے میں ایک شیر ملا۔ حضرت سفینہ نے کہا کہ میں رسول پاکؐ کا غلام ہوں۔ یہ سن کر شیر اپنی دم ہلانے لگا۔ اور خوشامدیں کرتا ہوا ان کے آگے آگے چل پڑا اور تھوڑی دیر میں آپ کو قافلہ میں پہنچا کر واپس چلا گیا۔ یہ تو محبت خلق کا ظہور ہوا۔ اور محبت حق کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ آواز تو نہیں سنائی دیتی۔ مگر محبت حق کا اثر دل میں موجود ہوتا ہے۔ ہر وقت تمام معاملات میں اللہ کی طرف سے امداد و اعانت ہوتی ہے۔ اور قلب پر علوم و واردات اور کلام حق کا یوں القاء ہوتا ہے۔ جیسے حق تعالیٰ اس سے باتیں کرتے ہیں۔ بس آواز نہیں ہوتی۔ اور سب کچھ ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا دل کہتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھ کو پسند کرتے ہیں۔ پھر اس کی لذت کا کیا ٹھکانہ' باقی رہا اس کا کامل ظہور تو دار آخرت میں ہو گا۔ یقیناً غذائے روحانی' غذائے جسمانی سے افضل اور الذ ہے۔ کیونکہ جملہ نعمتوں سے اصل مقصود راحت قلب ہے۔ جو غذائے جسمانی سے بالواسطہ اور غذائے روحانی سے

Marfat.com

بلاواسطہ حاصل ہوتی ہے۔ پھر کمال یہ ہے کہ اس دسترخوان پر مختلف غذائیں ہیں کبھی تم محب ہو اور حق تعالیٰ محبوب اور کبھی حق تعالیٰ محب ہیں اور تم محبوب۔ اس کی لذت کچھ اور ہی ہے۔ اس کے نتیجے میں خلق کو تم سے محبت ہو جاتی ہے۔ جس کی لذت دوسری ہے۔ نیز خلق سے تمہیں محبت ہو جاتی ہے۔ پس ہم کو ایمان اور اعمال صالحہ کی تحصیل اور تکمیل میں سعی بلیغ کرنی چاہئے۔ تاکہ قلب کی راحت و لذت کی دولت بے بہا حاصل ہو۔

تعلق من العبد و مع الحق

اپنے متعلقین کے حقوق کو دیندار شخص سے زیادہ اور بہتر کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا کیونکہ جب بندہ کا تعلق حق تعالیٰ سے مستحکم ہو جاتا ہے تو پھر دنیا کے تعلقات کے حقوق پہلے سے بھی زیادہ مستحکم اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پہلے ان حقوق کو محض اپنے نفس اور خواہش کے لئے ادا کیا جاتا تھا اور اب رضائے محبوب کے لئے ان کی ادائیگی ہوتی ہے۔ جو لوگ دیندار ہو کر اپنے متعلقین کے حقوق میں کمی اور کوتاہی کرتے ہیں وہ درحقیقت دین سے ناواقف اور جاہل ہیں۔ وہ ہرگز پورے طور سے دیندار نہیں' اگرچہ لوگ انہیں دیندار سمجھتے ہیں۔

بیعت کی شرائط

1- بیعت واجب ہے یا سنت۔

2- بیعت کے مشروع ہونے میں حکمت کیا ہے؟

3- بیعت لینے والے کے لئے کیا شرطیں ہیں؟

4- بیعت کرنے والے کی کیا شرائط ہیں؟

5- بیعت کرنے والے کے لئے بیعت کو پورا کرنا اور بیعت کو توڑنا کیا ہے؟

6- کیا ایک یا ایک سے زیادہ عالموں سے ایک شخص کا ایک سے زیادہ بار بیعت کرنا جائز ہے۔

7- سلف سے بیعت کے کون سے الفاظ منقول ہیں؟

پہلے سوال کا جواب کہ بیعت سنت ہے یا واجب یہ ہے کہ بیعت واجب نہیں

Marfat.com

سنت ہے۔ اس لئے کہ لوگوں نے رسول پاکؐ کی بیعت کی اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہا۔ اس ضمن میں کہیں اس بات کی دلیل نہیں ملتی کہ جس نے آپ کی بیعت نہ کی ہو وہ گناہگار ہوا۔ اور نہ کسی امام نے رسول پاکؐ کی بیعت نہ کرنے والے کو برا قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس امر پر سب کا اجماع ہے کہ بیعت واجب نہیں۔ اب رہا دوسرا سوال کہ بیعت کے مشروع ہونے میں حکمت کیا ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا دنیا میں یہ قانون جاری ہے کہ نفوس انسانی کے اندر جو نظر نہ آنے والی پوشیدہ کیفیات ہیں۔ اس نے ان کو ظاہری افعال و اقوال کے ذریعہ ضبط میں لانے کا دستور بنایا ہے۔ اور ان ظاہری افعال و اقوال ہی کو اندرونی نفسی کیفیات کا قائم مقام مقرر فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر خدا' خدا کے رسولؐ اور یوم آخرت پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا نفس کی ایک نظر نہ آنے والی اندرونی کیفیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے زبان سے اقرار کرنے کو ظاہر میں اس کا قائم مقام بنایا ہے۔ اسی طرح دو آدمیوں کا کسی چیز کی خرید و فروخت کے متعلق متفق ہونا ایک مخفی معاملہ ہے۔ لیکن خریدار اور فروخت کرنے والے کو زبان سے ایجاب و قبول کہنا اس کا ظاہر میں قائم مقام بن گیا ہے۔ یہی مثال بیعت کی بھی ہے۔ جب ایک آدمی توبہ کرتا اور ترک معاصی کا عہد کرتا ہے۔ اور تقویٰ پر مضبوطی سے قائم رہنے کا تہیہ کرتا ہے۔ تو ایک نفس کی ایک داخلی کیفیت ہوئی۔ اس نفسی کیفیت کا قائم مقام بیعت کو بنایا گیا ہے۔

نیز مرشد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اصول فقہ' علیم کلام' فقہ کی جزئیات اور ان کے فتاویٰ کا عالم ہو۔ ہم نے بیعت لینے والے کے لئے علم کی شرط صرف اس لئے لگائی ہے کہ بیعت سے اصل غرض امر بالمعروف' نہی عن المنکر' تسکین باطن کے حصول کی تلقین اور برائیوں کو دور کرنے اور اچھائیوں کے حاصل کرنے کی ترغیب و ارشاد ہے۔ اور چونکہ بیعت کرنے والے مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام باتوں میں اپنے مرشد کی اطاعت کرے اس لئے اگر مرشد عالم نہیں تو اس سے ان امور سر انجام دینے کا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے۔

تمام مشائخ اس امر میں متفق ہیں کہ جس شخص نے حدیثیں نہ لکھی ہوں۔ اور قرآن نہ پڑھا۔ وہ کبھی وعظ نہ کہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ایک مدت تک

Marfat.com

متقی علماء کی صحبت میں بیٹھا ہو۔ ان سے اس نے تربیت حاصل کی ہو۔ وہ حلال و حرام میں خوب پہچان کرنے والا ہو۔ اور کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے اچھی طرح واقف ہو تو البتہ یہ چیزیں وعظ کہنے کے لئے کافی ہو سکتی ہیں۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔ مرشد کے لئے دوسری شرط اس کا عادل ہونا اور اس کا تقویٰ ہے۔ مرشد کو چاہئے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچے۔ صغیرہ گناہوں سے پرہیز کرے۔ اور اس کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دنیا سے بے نیاز ہو' آخرت میں رغبت رکھتا ہو۔ جو اطاعات و عبادات ضروری اور مئوکد ہیں۔ اور جو ذکر و اذکار کا صحیح احادیث میں مروی ہیں۔ ان کا پابند ہو اور اس کا دل برابر اللہ سبحانہ سے تعلق رکھے اور اس کے لئے یادداشت ایک مستقل ملکہ بن جائے۔ مرشد کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر حامل ہو۔ اپنی رائے میں پختہ ہو۔ مذبذب خیال کا نہ ہو۔ نہ اس کی اپنی رائے ہو اور نہ اس کا اپنا کوئی فیصلہ۔ نیز مرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب مروت ہو۔ اور عقل تام رکھتا ہو۔ تاکہ جس چیز کے کرنے کو وہ کہے اور جس سے وہ منع کرے اس میں اس پر پورا اعتماد کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ گواہی ان کی مقبول ہے۔ جن گواہوں کو تم پسند کرو۔ جب گواہوں کے معاملے میں یہ حال ہے۔ تو تمہارا کیا خیال ہے کہ بیعت لینے والے مرشد کے لئے یہ ضروری نہیں ہو گا کہ اس میں عدالت اور تقویٰ ہو تاکہ مرید اس پر اعتماد کر سکے۔ مرشد کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ ایک مدت دراز تک مشائخ کی صحبت میں رہا ہو۔ اور ان سے اس نے تربیت پائی۔ اور نور باطن اور تسکین قلب اخذ کی ہو۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ایک بندھا ہوا نظام ہے کہ کوئی شخص فلاح نہیں پا سکتا۔ جب تک وہ فلاح پانے والوں کو نہ دیکھے بھالے۔ اور ان سے نہ ملے جلے۔ جس طرح کہ کوئی شخص علم حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ وہ علماء کی صحبت میں نہ رہے۔ یہی دوسرے پیشوں میں بھی ہوتا ہے۔ نیز مرشد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس سے کرامات اور خوارق ہی ظاہر ہوں۔ یا وہ کسب معاش کو چھوڑ بیٹھے۔ کرامات اور خوارق تو ثمرہ ہوتے ہیں۔ محض مجاہدات اور ریاضتوں کا اور یہ چیز شرط کمال نہیں ہے۔ اسی طرح کسب معاش کو چھوڑ بیٹھنا شریعت کے منافی ہے۔ اس ضمن میں ان لوگوں کے اعمال سے دھوکا نہ کھانا

Marfat.com

چاہئے۔ جو مغلوب الاحوال ہوتے ہیں۔ اس معاملے میں سلف سے جو طریقہ چلا آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو بھی تھوڑا سا مل جائے اس پر قناعت کر لی جائے۔ اور جو شرکی چیزیں ہیں۔ ان سے بچا جائے۔ باقی رہا یہ سوال کہ بیعت کرنے والے مرید کے لئے کیا کیا شرطیں ہیں۔ تو اس بارے میں تمہیں جاننا چاہئے کہ بیعت کرنے والے مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ و عاقل ہو۔ شوق و رغبت رکھنے والا ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ نبی پاکؐ کی خدمت میں ایک بچہ پیش کیا گیا کہ وہ آپ سے بیعت کرے۔ آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے لئے برکت کی دعا کی اور اس سے بیعت نہ لی۔ بعض مشائخ تبرک اور نیک فالی کے خیال سے کم عمروں کی بیعت بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

ایک بیعت صالحین کے سلسلہ میں تبرک کے طور پر شریک ہونے کی ہے کہ احادیث کے راویوں میں تبرک کے خیال سے شامل ہوتے ہیں اس لئے کہ اس میں برکت ہے۔ صوفیاء کی بیعت کی تیسری قسم یہ ہے کہ احکام الٰہی کے لئے سب سے کنارہ کش ہو جائے جن چیزوں سے اللہ نے منع کیا ہے۔ ان کو ظاہرا" و باطنا" ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے دل کو وابستہ کرنے پر عزم بالجزم کیا جائے اور اس کے لئے بیعت ہو۔ بیعت کی پہلی جو دو شکلیں ہیں۔ ان کو پورا کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے' صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ ہو اور اطاعات و عبادات میں جو واجب ہیں یا جو چیزیں سبقت مؤکدہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کی پابندی کی جائے یہ تو ہوا بیعت کا ایفائے عہد باقی رہا اس کا توڑنا سو اوپر کے اعمال بجا نہ لانا۔ یہ نقض بیعت ہو گا۔

چھٹے سوال کے متعلق کہ کیا ایک یا ایک سے زیادہ عالموں سے ایک شخص کا ایک سے زیادہ بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں۔ رسول پاکؐ سے منقول ہے کہ آپ نے صحابہ سے بار بار بیعت لی۔ اسی طرح صوفیاء کا بھی کئی بار بیعت لینا مذکور ہے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ ایک سے بیعت کرنے کے بعد پھر دوسرے سے بیعت کی جائے یا نہ کی جائے تو اس کی صورت یہ ہے کہ جس مرشد سے پہلے بیعت کی ہے۔ اگر اس میں کوئی خلل ظاہر ہو تو دوسرے مرشد سے بیعت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح پہلے مرشد کی

Marfat.com

موت اور اس کے لاپتہ ہونے پر بھی دوسرے مرشد سے بیعت کی جا سکتی ہے۔ لیکن پہلی بیعت کو چھوڑ کر دوسرے مرشد سے بغیر کسی عذر کے بیعت کرنا یہ تو ایک کھیل ہے۔ اس سے یہ ہو گا کہ بیعت میں برکت نہ رہے گی۔ اور مرشدوں کا دل مرید کی خبر گیری سے ہٹ جائے گا۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔ اور یہ سوال کہ بیعت کے کون سے الفاظ سلف سے منقول ہیں کا جواب یہ ہے کہ بیعت لیتے وقت مرشد کو چاہئے کہ وہ سب سے پہلے خطبہ مسنونہ پڑھے۔ اس خطبہ مسنونہ کے بعد مرشد کو ایمان اجمالی کی تلقین کرے اور اس سے یوں کہلوائے۔ میں ایمان لایا اللہ پر اور جو اللہ کی طرف سے آیا اللہ کی مراد پر میں ایمان لایا اللہ کے رسول پر اور جو کچھ اللہ کے رسول سے اللہ کے رسول سے مراد پر میں نے تمام مذاہب اور تمام گناہوں سے برات کی اور اس وقت اور اب اسلام لایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد مرشد مرید سے کہے کہ یوں کہہ میں بیعت کرتا ہوں رسول پاکؐ کی آپ کے خلفاء کے توسط سے ان پانچ چیزوں پر (1) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور رسول پاکؐ اس کے رسول ہیں۔ (2) نماز کا قیام۔ (3) ادائے زکوٰۃ۔ (4) رمضان کے روزے۔ (5) زاد راہ کی استطاعت ہو تو بیعت اللہ کا حج پھر مرید سے یوں کہلوائے۔

"میں رسول پاکؐ کی آپ کے خلفاء کے واسطے سے اس بات پر بیعت کرتا ہوں کہ میں اللہ کے ساتھ شرک نہیں کروں گا۔ نہ چوری کروں گا۔ نہ زنا۔ نہ کسی پر جھوٹا بہتان لگاؤں گا۔ اور نیک کاموں میں اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس کے بعد مرشد دو آیتیں تلاوت کرے۔ پھر مرشد اپنے نئے مرید کے لئے اور جو حاضرین ہوں۔ ان کے لئے دعائے خیر کرے اور پھر کہے۔ اللہ تعالیٰ برکت دے ہمیں اور تم کو اور نفع دے ہمیں اور تم لوگوں کو۔ بیعت لیتے وقت اگر مرشد مرید سے یہ کہلوائے۔ (القول الجمیل فی بیان سواء السبیل شاہ ولی اللہ 45-53)

تجلی نور شاہ ولی اللہ کی نظر میں

تجلی سے مراد وہ مخلوق ہے۔ جو خالق نے احکامات اس کے بعض اوصاف کے

Marfat.com

مطابق بجا لائیں- اور اس کے سبب سے بعض امور کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جا سکے- اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو خواب میں ایک بادشاہ کی شکل میں سر پر تاج رکھے اور تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھتا ہے- تو وہ شکل بے شک و شبہ مخلوق ہے- جس کا مادہ علوم وہ تخلیق ہیں- جو دیکھنے والے کے ذہن میں پہلے ہی سے پوشیدہ تھے- اور اس تخلیق کا محل دیکھنے والے کی قوت خیال ہے- اور یہ صورت ان تعلقات کی بناء پر خوابوں کی تعبیر کے علم میں معتبر ہیں- ما لکیت' بادشاہت اور قوت تصرف پر دلالت کرتی ہے- اور مذکورہ بالا صفات حق تعالیٰ کی صفات ہیں- اور شرع کی زبان نیز عرف عام میں کہا جا سکتا ہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا یا خدا تعالیٰ نے ایسے ایسے فرمایا- پس یہ صورت مخلوق ہے- جو خالق کی ذات کے کشف کا ذریعہ ہے- اس کے بعض اوصاف کے لحاظ سے اسی بنا پر خالق کی رویت اور امروضی اس صورت کی طرف منسوب ہے- اور اگر خالق کے بعض اوصاف کے کشف کا ذریعہ نہ ہوتی تو اسے تجلی نہ کہتے- اسی طرح اگر کوئی فرشتہ یا کسی ولی کی روح خارج میں یا خواب میں حق تعالیٰ کی بعض صفات کا کشف تو کرے- لیکن اس کا فعل حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ ہو تو اسے بھی تجلی نہیں کہا جائے گا- تجلی ان معنوں میں ایک حقیقی شئے ہے- جس کا ثبوت شروع میں موجود ہے- جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (جب موسیٰ کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی) یہ تجلی ویسی ہی تھی- جیسی کہ اس سے پہلے درخت پر تھی- اور حضور پاک نے فرمایا میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا ان کے علاوہ عالم معاد سے تعلق رکھنے والی احادیث میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو تجلی پر دلالت کرتی ہیں- عالم میں تجلیات الٰہی بہت ہیں- بعض کسی انسان کے خیال میں خواب یا بیداری کی حالت میں ظاہر ہوتی ہیں- جیسے ہمارے نبی پاک' کو پیش آیا- جب کہ آپ نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا اور بعض (تجلیات) خارج میں نظر آتی ہیں- جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ (طور)_ خارج میں تجلی کے ظہور کے بارے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ ارادہ الٰہی کسی بندے کو تعلیم دینے یا کسی امر کی فلاں فلاں صورت میں تدبیر کرنے کا ہوتا ہے-

جس قسم کی بھی تجلی اس عالم میں آتی ہے- جب کوئی مسلمان لا الٰہ الا اللہ اور

Marfat.com

اللہ اکبر یا سبحان اللہ اور اس جیسے اذکار پڑھتا ہے۔ تو اس ذکر کے ضمن میں لازمی طور پر اس ذات کو سمجھتا ہے۔ اور ان احکام کو اس کی کبریائی اس کی ذات کے لئے معین کرتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں لازماً" موضوع کی صورت اس کے ذہن میں حاضر ہوتی ہے۔ اور یہ صورت حق تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ جو اس کی باطنی قوتوں میں سے ایک قوت میں جسے مدرکہ اور متصرمہ کہتے ہیں۔ قائم ہو جاتی ہے جب وہ شخص ان اذکار کی کثرت کرتا ہے تو اس کے مدرکہ میں قائم ہونے والی خفیف صورت جڑ پکڑ لیتی ہے۔ حتیٰ کہ ان اذکار کے الفاظ کے استعمال کئے بغیر ہی خود بخود وہ صورت کبھی ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ پھر محو ہو جاتی ہے پھر آ جاتی ہے اور جب وہ اس سے بھی زیادہ اذکار کی کثرت کرنے لگتا ہے تو وہ صورت اس کے قوائے نفس میں سے کسی قوت میں اس طرح مستقر ہو جاتی ہے کہ چلتے پھرتے' کھاتے پیتے اور ہر حالت میں اس کے ذہن سے دور نہیں ہوتی۔ اور کوئی بھی شغل اس صورت کے حضور میں مانع نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے۔ جو اپنے سر پر پانی کا گھڑا رکھے ہوئے ہے۔ اس کا بھی اس کے دل میں خیال ہے۔ اسی حالت میں وہ سوچ رہا ہے کہ اس پانی میں سے ایک حصہ کھانا پکانے میں صرف کرے گا کچھ حصے سے کپڑے دھوئے گا کچھ حصہ پینے کے لئے رکھ چھوڑے گا۔ یہ تمام پراگندہ خیالات اس کے ذہن میں شکل پذیر ہیں۔ اور اس کی قوت مدرکہ نے ان تمام خیالات کے لئے گنجائش پیدا کر رکھی ہے۔ اسی طرز پر سالک کو بھی قیاس کرو جو تمام حالات' حرکات و سکنات کے دوران اپنے قلب کو اجمالی طور پر سہی اپنے مبدا (خالق) کی طرف متوجہ رکھتا ہے۔ اس کے بعد ایک درجہ اور ترقی کرتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اپنی ان تمام پراگندہ توجیہات کو دفعہ کر دیتا ہے اور اپنی تمام مختلف قوتوں کو صرف ایک قوت کی طرف لوٹا دیتا ہے۔

ترجمہ : میرے قلب کی مختلف خواہشیں تھیں۔ لیکن جب میری آنکھ نے تجھے دیکھا تو سب خواہشیں تجھ میں جمع ہو گئیں۔

پھر اس جمعیت خاطر میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ پہلے تو یہ اپنے آپ کو پاتا ہے کہ اپنی ہمت کاملہ سے مقصود حقیقی کی طرف متوجہ ہے۔ اور آخر میں تو یہ حال ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ اس حالت کو غیب و عدم کہتے ہیں اور اس

Marfat.com

کی نسبت مجرد کے ساتھ ویسی ہی ہوتی ہے۔ جیسی کسی متحیر چیز کی نسبت رویت کے ساتھ یعنی اب وہ غیب کی حالت میں مجرد کو اسی طرح دیکھے گا۔ جس طرح کوئی مادی آنکھ کسی مادی چیز کو دیکھتی ہے۔ جب ہماری نگاہ کسی چیز پر پڑی اور ہماری حس مشترک نے اس چیز سے ایک صورت کو اخذ کیا۔ اس کے تمام مادی لواحق مثلاً تحیر اور اس چیز کی نسبت دوسری اشیاء کے ساتھ جو اس کے دائیں بائیں ہیں۔ اور اس کا رنگ شکل' کیفیات اور اس طرح کی چیزوں کے ساتھ تو ہم اس کو رویت کہتے ہیں۔ اسی طرح صاحب مشاہدہ' مجرد حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور (بجائے حس مشترک کے) قوت مدرکہ درمیان میں ہوتی ہے۔ جس طرح کہ مذکورہ بالا مثال میں حس مشترک درمیان میں تھی۔ الغرض وہ قوت مدرکہ جو مجرد کے کشف کا ذریعہ بنتی ہے۔ وہ دراصل مدرکہ کے آئینے میں تجلی اعظم کا عکس ہے۔

Marfat.com

چوتھا باب

تصوف امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ

اگرچہ تصوف اسلامی کو امام غزالی سے قبل بھی اہمیت حاصل تھی مگر امام کی آمد کے بعد اس کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ایک صوفی و بزرگ سے علم حاصل کرنے کے بعد اس نے خود اپنے اندر روحانیت کی آگ محسوس کر لی یہاں تک کہ گیارہ سال تک عبادت خداوندی میں گزارے۔ بہرحال جب وہ واپس گھر آیا تو ان کی علم پر تصوف کے اثرات نمایاں تھے۔ انہوں نے علم تصوف کی فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا اور اسے پسند فرمایا۔ اندلس یعنی ہسپانیہ میں تصوف کو فروغ ملا اور وہ بھی شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کی وساطت سے جنہوں نے 638ھ میں اس کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ابن عربی بلند پایہ مفکر، فلسفی اور صوفی تھے۔ ان جیسا صوفی کامل اور بزرگ کامل آج تک دنیا میں پیدا نہ ہو سکا۔ وہ مسلمانوں کا عظیم علمی و فلسفیانہ سرمایہ ہے اور اس علمی سرمایہ ہی پر انہوں نے مسلمانوں کے لئے گراں قدر کتب لکھ ڈالیں جن سے آج تک مسلمانان عالم مستفید ہو رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے عظیم روحان پیشوا، تصوف کے رہنماء اور اسلامی اسرار و رموز سے واقف صوفی تھے۔

تصوفی نظریات کا پورا دور ذوالنون سے شروع ہوتا ہے اور جلال الدین پر ختم ہوتا ہے۔ مصنف فلسفہ اسلام کے مطابق بعد کے مصنفین ان کی تعلیم کو نئی ادبی صورت میں صرف دہراتے ہیں، نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کر دینا کافی ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں ایک شخص عبدالرزاق وحدت الوجود کے قائل صوفی گزرے ہیں اور انہوں نے شیخ الاکبر محی الدین عربی رحمتہ اللہ کی کتاب پر شرح بھی لکھی ہے اور ان کے نظریات و افکار کی حمایت کی ہے۔ وہ نظریہ اختیار کے اس بناء پر حامی تھے کہ روح انسانی کا صدور خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس لئے یہ

Marfat.com

خدائی خصوصیات سے بہرہ ور ہے۔ ان کے نزدیک یہ عالم بہترین ممکنہ عالم ہے' حالات میں فرق ضرورت ہے اور عدل یہ ہے کہ ان کو تسلیم کیا جائے اور اشیاء کو ان کے ماحول کے مطابق بنایا جائے بالاخر تمام اشیاء نابود ہو کر خدا میں از سرنو جذب ہو جائیں گے کیوں کہ صرف وہی حقیقت ہے۔

اگرچہ صوفیت میں اسلامی زندگی میں ایک مسلمہ حیثیت اختیار کرلی ہے لیکن ایسا بلا مخالفت کے نہیں ہوا ہے۔

سربرآوردہ مخالفین میں حنبلی مصلح ابن تیمیہ (متوفی 728ھ) داخل ہیں جو انتہاپسند مگر مقبول عام الہیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ مذاہب فقہ میں سے کسی ایک کی رسمی پابندی کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اجماع کو کوئی اہمیت حاصل نہیں' جو اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتحاد پر مبنی ہو۔ وہ اشعری اور غزالی کی مدرسی الہیات کی تردید کرتے ہیں اور صفات الٰہی کی ان اصول پر تعریف کرتے ہیں جن کو ابن حزم نے قائم کیا تھا۔ اس زمانے میں صوفی النصر قاہرہ میں ممتاز تھے۔ ان کو ابن تیمیہ نے ایک خط لکھا' جس میں صوفیا کے نظریہ اتحاد کو بدعت قرار دیا۔ اس سے اسلام کی دو مخالف قوتوں کے مابین' یعنی روایتی اہل سنت اور صوفیا میں اختلاف پیدا ہو گیا' جس کی وجہ سے ابن تیمیہ کو زد و کوب اور قید و بند کے مصائب میں مبتلا ہونا پڑا۔ اپنی زندگی کے آخری زمانے میں یعنی 726ھ میں ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا کہ اولیا کے مزاروں کا احترام جن میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ شریف بھی داخل ہے' ناجائز ہے' اور اسی طرح سے طالب امداد ہونا بھی درست نہیں۔ اس بارے میں وہ اٹھارویں صدی عیسوی کی وہابی اصلاح کے پیش رو تھے۔ ایسے مسودات موجود ہیں جن میں عبدالوہاب نے ابن تیمیہ کی تصانیف کو اپنے قلم سے لکھا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبدالوہاب نے اس مصلح کی تصانیف کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا تھا اور وہ ان کے تمام نظریات کو نقل کرتا ہے۔ (فلسفہ اسلام ص۔ 222-224)

Marfat.com

امام اشعری رحمتہ اللہ علیہ

امام اشعری رحمتہ اللہ علیہ 260ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں وفات پائی۔ وہ معتزلہ خیالات سے تائب ہو کر صحیح مسلمان ہوئے یعنی سنی عقیدہ کے مالک بن گئے۔

ایک دفعہ ممبر پر کھڑے ہو کر انہوں نے کہا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں میں تو علی بن اسمٰعیل اشعری ہوں۔ میں جن خیالات کا حامی تھا میں نے وہ خیالات ترک کر کے قابل دیدار خداوند ہو گیا ہوں اس زمانے میں معتزلہ کے عقاید یہ تھے۔

1- قرآن مخلوق ہے۔

2- روایت باری تعالیٰ کے امکان سے انکار۔

3- اختیار۔

اشعری مسلک کی بانی اشعری نے الشرح والتفسیر کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جبکہ علاوہ ازیں ان کتب کے مصنف تھے۔

1- اللمع۔

2- موجز۔

3- ایفاح البرہان وغیرہ۔

اپنی کتاب میں مسئلہ خلق القرآن پر بہت کچھ لکھا ہے تاہم مصنف فلسفہ اسلام نے اس موضوع پر مختصر نوٹ لکھا ہے۔ مصنف فلسفہ اسلام نے اپنی کتاب کے صفحہ 230-231 تک مسئلہ خلق قرآن پر لکھا ہے!

اسلامی الہیات کے قدیم مسایل مثلاً ابدیت قرآن اختیار وغیرہ سے بحث کرتے ہوئے اشعریہ ضروری مذہبی تعلیم کو معقول انداز میں بیان کرتے ہیں' جو ساتھ ہی راسخ العقیدہ کے اصل مطالبات کی حفاظت بھی کرتی ہے۔

Marfat.com

قرآن کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کے اندر تو ابدی تھا لیکن الفاظ اور جملوں میں اس کا ادا ہونا زمانے میں ہوا ہے' اور مخلوق ہے' اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ الفاظ اور جملوں میں قرآن کا اظہار رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے جن پر یہ نازل ہوا تھا بلکہ یہ بھی خدا کے ہیں اس طرح سے وحی لفظی کے عقیدے کا پوری شدت کے ساتھ دعویٰ کیا گیا' اور نہ قرآن بروقت وحی پیدا کیا گیا ہے بلکہ یہ تو صدیوں پہلے اس وقت مخلوق ہوا جب یہ پہلے پہل ملائکہ اور برگزیدہ ہستیوں کو بتایا گیا تھا اور بعد میں جبریل اور محمدؐ پر ظاہر کیا گیا تھا یہ عقیدہ موجودہ زمانے میں اہل سنت کا ہے اور اس سے عیسائیوں اور زمانہ حال کے معقولیوں کو اعتراض کا موقع ملا ہے' جنہوں نے بعض ایسے خاص الفاظ کو چن لیا ہے جو عربی زبان میں سریانی' فارسی اور یونانی زبانوں میں آئے ہیں اور قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے کہ وہ الفاظ جو ابد ماضی میں کسی زمانے میں اور اس عالم کی تخلیق سے بہت پہلے منکشف ہوئے ہوں' جیسا کہ عام طور پر دعویٰ کیا جاتا ہے' ان سے ایسی خارجی زبانوں کا کیونکر اثر ظاہر ہو سکتا ہے' جو عربی پر ساتویں صدی عیسوی میں پڑا تھا۔ اور جو مسلمان قرآنی عربی کے خلوص کو ہمیشہ اس کے الٰہی الاصل ہونے کی ایک شہادت قرار دیتے رہے ہیں' وہ اس کو ایک دشواری خیال کرنے پر مائل ہیں۔ یہ خیال کہ قرآن کے معانی و مطالب ابدی ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو معانی کی وحی ہوئی جن کو انہوں نے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا' جن سے اپنے زمانے کی خصوصیات ظاہر ہوں گی' اسے اہل سنت تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں' یہ بات بھی توجہ کے لائق ہے کہ اشعریہ کی تعلیم ایک قدیم اشکال سے گریز کرتی ہے' اور اس کا جواب نہیں دیتی اور وہ یہ کہ اگر قرآن کے مطالب حکمت الٰہی ہیں۔ اور اسی کی طرح سے ازلی اگرچہ ان کا صدور اسی سے ہوا تو خدا کے علاوہ عینی اس کی حکمت اس کے ساتھ ازل سے موجود ہو گی اور عیسائیوں کی تثلیث کے اشخاص کی مماثل قرار دی جا سکتی ہے اور اس کی مطلق وحدت کے منافی ہے۔ (فلسفہ اسلام۔ 230-231)

Marfat.com

خواجہ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ محمد فریدالدین عطار نیشا پوری 513ھ میں نیشا پور ایران میں پیدا ہوئے۔ وہ ابراہیم اسحاق کا بیٹا تھا۔ فریدالدین عطار نیشا پوری ایک بلند پایہ صوفی شاعر تھے۔ وہ صرف عطار نہ تھے بلکہ صوفی بھی تھے نیشا پور پر چنگیز خان کے حملہ کے دوران ہی کسی نے خواجہ فریدالدین کو گرفتار کر کے قتل کرنے کی کوشش کی لیکن ایک سوداگر نے آ کر اسے خرید لیا۔ بہرحال بعد میں ان کا مالک ان کا مرید بن گیا تاہم 627ھ میں خواجہ صاحب فوت ہوئے۔

خواجہ فریدالدین عطار کی کتابوں میں یہ کتب نمایاں تھیں!

1- اسرار نامہ، 2- مصیبت نامہ، 3- وصیت نامہ، 4- بلبل نامہ، 5- گل و ہرمز، 6- شتر نامہ، 7- دیوان غزلیات، 8- الٰہی نامہ، 9- جواہر الذات، 10- منطق الطیر، 11- حیدر نامہ، 12- سیاہ نامہ، 13- مختار نامہ، 14- تذکرۃ الاولیاء۔

خواجہ فریدالدین کا کلام مشہور ہے اسی لئے مولانا جلال الدین رومی بھی ان کے معترف تھے۔

ذیل میں ہم خواجہ فریدالدین عطار کی کتاب منطق الطیر سے چند اشعار کا تعارف کرائیں گے۔

شیخ فریدالدین عطار نیشا پوری کی تصنیفات کے متعلق عجیب و غریب حوالہ جات دسترس ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ ایک سو کتب کے مصنف تھے جبکہ مشہور کتاب مفتاح الفتوح کو انہوں نے 688ھ میں تالیف کی ہے۔ لیکن دولت شاہ اور مصنف ہفت اقلیم نے صرف چالیس کتابیں اور رسالے ان کی طرف منسوب کئے ہیں۔ دولت شاہ نے شیخ کی تصانیف کے یہ نام دیئے ہیں!

تذکرۃ اولیاء۔ اسرار نامہ۔ الٰہی نامہ۔ مصیبت نامہ۔ اشتر نامہ۔ مختار نامہ۔

Marfat.com

جواہرالذات۔ وصیت نامہ۔ منطق الطیر۔ بلبل نامہ۔ گل و ہرمز۔ سیاہ نامہ۔ حلاج نامہ۔ اخوان الصفا۔ حیدر نامہ۔

اس کے برعکس صاحب ہفت اقلیم نے ذیل فہرست دی ہے۔

الٰہی نامہ' اسرار نامہ' مصیبت نامہ' وصلت نامہ' بلبل نامہ' ہند نامہ' جواہر نامہ' بے سر نامہ' خسرو نامہ' ولد نامہ' اشتر نامہ' جواہرالذات' مظہرالعجائب' منطق الطیر' گل و ہرمز' شرح القلب' تذکرۃ الاولیاء' اخوان الصفاء' دیوان' لسان الغیب۔

قاضی نوراللہ نے ان تصانیف کا ذکر کیا ہے!

منطق الطیر' الٰہی نامہ' اسرار نامہ' مظہرالعجائب۔

بہرحال شیخ عطار ایک بلند پایہ بزرگ صوفی شاعر تھے جنہوں نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے' عطار نے حسین بن منصور کے حالات بھی لکھے ہیں۔ جس میں انہوں نے حسین کے متعلق صوفیوں کی تمام روایات کو جمع کر دیا ہے۔ تذکرے کے بیانات کے بالکل برعکس ایک طویل حکایت منصور سے متعلق لکھتا ہے جس میں شفیق بلخی جا کر خلیفہ ہارون الرشید کو سمجھاتے ہیں کہ تم نے چونکہ منصور کو قتل کرا دیا ہے اور وہ حضرت موسیٰ کاظم کا خاص آدمی تھا اس لئے تم جا کر امامؑ سے اس قتل کی معافی مانگو۔ ہارون الرشید نے یہ بات مان لی اور انہوں نے امام موسیٰ کاظم سے اس قتل کی معافی مانگی۔

من ترادانم کہ ملک حق تست
گفتہ منصورھم از نطق تست

خلیفہ ہارون الرشید 193ھ میں وفات پاتا ہے اور منصور کو 309ھ میں دار پر چڑھا دیا جاتا ہے۔

شفیق بلخی متوفی 195ھ اور ہارون الرشید کی ملاقات کا ذکر خود شیخ فریدالدین عطار نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔ نہایت عجیب بات یہ ہے کہ عطار اپنی تصنیفات میں کبھی کوئی لغو دعویٰ نہیں کرتے نہ انہیں الہام ہوتا ہے' نہ کرامت کے مدعی ہے۔

مصنف کی طبیعت بجائے صوفیانہ ترک و تجرید و فنا' مذہبی بلکہ فریقی جذبات زیادہ

Marfat.com

غالب ہیں۔ وہ عاشق علی رضی اللہ عنہ تھا اور اس کا اظہار بھی کیا ہے اور وہ حضرت علیؓ سے بہت متاثر تھا۔

ہفت مقالہ کے مصنف سید حسام الدین راشدی کے مطابق!

وہ مدعی ہے کہ میں نے سو کتابیں لکھی ہیں' لیکن اپنی تصنیفات کی زائد سے زائد جو تعداد دی ہے' سولہ ہے' اور یہ وہی کتابیں ہیں جو اور ذرائع سے بھی ہم کو معلوم ہیں۔ کئی موقعوں پر انہی ناموں کو دہراتا ہے۔ اب اگر یہ اصلی عطار ہوتا تو زیادہ نہیں کم از کم باقی کتابوں کے نام ہی بتا دیتا۔ عطار کی تصنیفات سے اس کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ دیوان عطار سے ناواقف محض ہے۔ وصلت نامہ شیخ بہلول کو عطار کی تصنیف مانتا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء اور شرح القلب کے متعلق اس کو یہ علم نہیں کہ وہ نثر میں ہیں' یا نظم میں۔ اس لئے اس کے اشعار کی تعداد اپنے مفروضہ شمار دو لاکھ دو ہزار اور ساٹھ میں شامل کر لیتا ہے' لیکن دیوان کے اشعار کو داخل نہیں کرتا' کیونکہ اس کے وجود سے ناواقف ہے۔ وہ ایک فرضی تصنیف "معراج نامہ" کا ذکر کرتا ہے' جس کے وجود سے کوئی شخص واقف نہیں۔ جوہرالذات اور حلاج نامہ کے تعلق سے مطلق بے خبر ہے۔

اس کا دعویٰ ہے کہ جوہرالذات میری تصنیف ہے اور اس دعویٰ کی تصدیق کی غرض سے دونوں کتابوں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتا ہے' لیکن جوہرالذات ہرگز ہرگز اس کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ زبان و انداز کلام اور موضوع کے اختلاف کے علاوہ مصنف جوہر' ہیلاج نامہ میں کہتا ہے کہ یہ میری آخری کتاب ہے۔

کتاب آخرست ایں تا بدانی
اگر تو زہرہ داری ایں بخوانی

جوہر کا مصنف فنا فی المنصور ہے' اس کا عقیدہ ہے کہ حلاج کے ختم ہونے کے بعد اس کی شہادت کے سوا اور کوئی مرحلہ باقی نہیں رہتا۔

بگو ہیلاج و آن کہ جان برافشاں
دل و جان بررخ جانان برافشاں

Marfat.com

اور خود منصور کا پیکر مثالی اس کو اسی قسم کی ہدایت دیتا ہے جو ہم جواہرالذات کے تبصرے میں دیکھ آئے ہیں۔ لیکن بعد میں یہ شخص عطار منصور کا عاشق زار اور شہادت کا طلبگار ایک نیا سوانگ بھرتا ہے۔

مظہرالعجائب میں ایک دلچسپ لفظ تومن ملتا ہے اس لفظ کی موجودگی دلالت کرتی ہے کہ یہ کتاب عہد عطار نیشا پوری کے بعد لکھی گئی ہے۔ کیوں کہ لفظ تومن چنگیزیوں کے ساتھ ایران نہیں آیا ہے اور انہوں نے ہی ایران میں اس لفظ کو فوجی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا!

تمامت خلائق وا دہ دہ کردہ و ازیک دن یک نفس را امیر نہ دیگر کردہ وازمیان دہ امیر یک کس را امیر صد نام نہادہ و تمامت صدر اور زیر فرمان او کردہ و بدیں نسبت تا ہزار شود و بدہ ہزار کشد' امیرے نصب کردہ و اورا امیر تومان خوانند۔"

"چنگیز خاں توریائے تقشی راباد و تومان لشکر مغول نام زد کرد تا از عقب او از آب سندھ بگذشت۔"

بعد میں مالیات کی اصطلاح بھی بن گیا' مثلاً:۔

"وحقوق دیوانی آں ولایت باآنچہ داخل آں تومان است' پانزدہ تومانی و یک ہزار و پانصد دینار است۔"

عطار کا اس لفظ سے آشنا ہونا' اول تو بعید ہے اور پھر اس کا اس طرح استعمال کرنا کہ گویا فارسی کا روزمرہ ہے اور بھی مشکل ہے۔

شیخ عطار نے منصور حلاج کے مبسوط حالات اپنے تذکرے میں لکھ چکے ہیں وہ اگرچہ حسینی کو عبداللہ حفیف' شبلی اور ابوالقاسم کی شہادت پر کاملین میں شمار کرتے ہیں۔ تاہم کوئی غیر معمولی عقیدت اس کی نسبت نہیں جتلاتے۔ تذکرے کے علاوہ مثنویات میں بھی کئی موقعوں پر اس کی حکایات ملتی ہیں ان میں بھی حسین کو کوئی خاص احترام نہیں دیتے۔

Marfat.com

حمد باری تعالیٰ از عطار نیشاپوری

فریں جان آفریں پاک را
آنکہ جان بخشید مشت خاک را
عرش رابر آب بنیاد او نہاد
خاکیان را عمر برباد او نہاد
آسمان راور زبردستی براست
خاک راور غایت ہستی بداشت
آن یکی راجنبش مدام داد
وین دیگر را دائما آرام داد
آسمان چون خیمہ برپای کرد
بی ستون کرد و بلوجش جای کرد
گاہ گل بر روی آتش دستہ کرد
گاہ پل برآب دریا بستہ کرد
نیم پشہ برسر دشمن گماشت
درسر لو چار صد سالش بداشت
تیغ کوہ از لالہ خون آلود کرد
گلشن نیلوفری ازدود کرد
چرخ رلور و رشبان روزی وحد
شب برد روز آرد و روزی وحد
چون دمی در گل دمد آدم کند

Marfat.com

وزکف وودوی ہمہ عالم کند
چون سگی بامر دمان قربت کند
شہر مردی بہ سگ نسبت کند
گہ حصائے راسخندانی دہد
گاہ مورے را سلیمانی دہد
از عصائے آورد ثعبان پدید
وزتنورے آورد طوفان پدید
چون فلک راکہ سرکش کند
از ہلالش نعل در آتش کند
او نہد از بہر سکان فلک
گردہ خورشید برخوان فلک
ناقہ از سنگے پدیدار آورد
گاؤ زر در نالہ زار آورد
در زمستان شبنم آوردر نثار
زر فشاند در خزاں اس شاخسار
گر کسے پیکان بخون پنہان کند
اوز غنچہ خون دران پیکان کند
یاسمین راچار ترکے برنہد
لالہ را از خون کلہ برسر نہد
گہ نہد بر فرق نرگس تاج زر
گہ کند در تاجش از شبنم گہر
عقل کار افتادہ جان دلداہ زوست
آسمان گردان زمین استادہ زوست
ہرچہ ہست از پشت ماہی تابماہ
جملہ ذرات بر ذاتش گواہ

Marfat.com

پستی خاک و بلندی فلک
دو گواهش بس بود بریک بیک
باد و خاک و آتش و خون آورد
سر خویش از جمله بیرون آورد
خاک را گل کرد در چل بامداد
بعدازاں جان رادرو آرام داد
جان چو درتن رفت و تن زوزنده شد
عقل داوش تابدان بیننده شد
عقل راچون دید بینائی گرفت
علم و اوش ناشناسائی گرفت
چون شناساشاد بجز اقرار داد
غرق حیرت گشت و تن درکار داد
برتر از علم است و بیرون ازعیان
زانکه در قدوسی خود بے نشان
زو نشان جز بے نشانی کس نیافت
چاره جز جانفشانی کس نیافت
هیچ کس را در خودی و بے خودی
زو نصیبے نیست جز الا الذی
ذره ذره در دو گیتی وہم تست
هرچه بینی جز خدا آن فهم تست
نیست ره آن کسے آنجا که اوست
کے رسد جان کسے آنجا که اوست
صدر هزاران طور از جان برتر است
هرچه خواهم گفت اوزان برتر است
عقل در سودائے او حیران بماند

Marfat.com

جان ز عجز انگشت در دندان بماند
چیست جان درکار او سرگشته
دل جگر خوارے بخون آغشته
تو مکن چندین قیاس اے حق شناس
زانکه ناید کار بیچون در قیاس
در جلالش عقل و جان فرتوت شد
عقل حیران گشت و جان مبهوت شد
چون نبود از انبیاء و از رسل
هیچ کس یک جزوے از کلی کل
جمله عاجز روئے برخاک آمدند
در خطاب ماعرفناک آمدند
منکه باشم تازنم لاف شناخت
آن شناخت ادراکه جز با اونساخت
چون جز او درهر دو عالم نیست کس
باکه سازی اینت سودا و هوس
هست دریائے ز جوهر موج زن
تو ندانی این سخن شش پنج زن
هرکه او آن جوهر دریا نیافت
لاشد و از لانشان جز لا نیافت
آن مگو چون در اشارت نایدت
دم مزن چون در عبارت نایدت
چرخ جز سرگشته پی گم کرده چیست
اوچه داند تو درون پرده چیست
اوکه چندین سال برسرگشته است
بی سروتن گرد این در گشته است

Marfat.com

ی نہ داند درو رون پردہ راز
کی شود برچون توئی این پردہ باز
باز بنگر تاکہ شاہ اولیاء
بعد احمد چہ جفا دید و عنا
شرح اولاد نبی رایک بیک
گرد ہم حیران بمانی زاحل شک

چرخ جز سرگشتہ پی گم کردہ چیست
او چہ داند تا درون پردہ چیست
اوکہ چندین سال برسرگشتہ است
بے سرو تن گرداین درگشتہ است
ے نہ داند دردرون پردہ راز
کے شود برچون توئی این پردہ باز
کار عالم حیرت است و حسرت است
حیرت اندر حیرت اندر حیرت است
ہست کارے پشت ورونہ سر نہ پائے
روئے بر دیوار و پشت دست خائے
پیشوایانے کہ رہ بین آمدند
گاہ و بیگاہ از پے این آمدند
جان خود رائین حیرت ساختند
ہمرہ جان عجز و حسرت ساختند
در نگر اول کہ با آدم چہ رفت
عمر ہا با او در آن ماتم چہ رفت
باز بنگر نوح را غرقاب کار
تا چہ پرواز کافران سالے ہزار
باز ابراہیم رائین دل شدہ

Marfat.com

منجنیق و آتش منزل شده
گرچه منزلگاه او در نار کرد
نار را از لطف خود گلزار کرد
باز اسمٰعیلؑ را بین سوگوار
نفس او قربان شده در کوے یار
باز یوسفؑ را نگر در داوری
بندگی و چاه زندان برسری
باز ایوبؑ ستم کش را نگر
مانده در کرمان و کرمانش در
باز یونسؑ را نگر گم گشتہ راه
آمده ازمه بماہی چند گاه
باز موسیٰؑ رانگرز آغاز عهد
دایه فرعونش شده تابوت مهد
باز داوٗد زره گر را نگر
موم کرده آهن از تف جگر
باز بنگر کز سلیمان حذیو
ملک اور برباد چون بگرفت دیو
باز زکریا که دل پرجوش شد
اره برسردم نزد خاموش شد
باز یحیٰی را نگر درپیش جمع
زار سربریده بر طشتی چو شمع
باز عیسیٰ را نگر دریای دار
پنهان گریخت او از یهودان چند بار
باز نگر تاسر پیغمبران
چه جفا و رنج دید از کافران

Marfat.com

بازینگر ماکہ شاہ اولیاء
بعد احمدیہ جفاء و بد و عنا
باز بنگر نفی را در نماز
جون زوش آن گر تیغ جان گداز
باز تبت احمد مختار بین
از فدک از ظالم وا مانده حزین
کشتہ چون گشتہ سبطین ارتضا
این مز برآن شد شہید کربلا
سرح اولاد نبی را یک بیک
گردھم حیران بمانی زاھل شک

Marfat.com

عطار نیشاپوری کا نعتیہ کلام

خواجہ دنیا و دین گنج وفا
صدر و بدر ہر دو عالم مصطفیٰ
آفتاب شرع و دریائے یقین
نور عالم رحمۃ للعالمین مصطفیٰ
جان پاکان خاک جان پاک او
جان رہا کن آفرینش خاک او
خواجہ کونین و سلطان ہمہ
آفتاب جان و ایمان ہمہ
صاحب معراج و صدر کائنات
سایہ حق خواجہ خورشید ذات
ہر دو عالم بستہ فتراک او
عرش و کرسی قبلہ کردہ خاک او
پیشوای این جہان و آن جہان
مقتدای آشکار و نہاں
مہترین و بہترین انبیاء
رہنمائے اصفیا و اولیا
مہدی اسلام و ہادی سبل
مفتی غیب و امام جزو و کل
خواجہ کز ہرچہ گویم بیش بود
ور ہمہ چیز از ہمہ در پیش بود

Marfat.com

خویشتن را خواجہ عرصات گفت
انما انا رحمۃ مہداۃ گفت
ہر دو گیتی از وجودش نام یافت
عرش نیز از نام او آرام یافت
ہمچو شبنم آمدند از بحر جود
خلق عالم از طفیلش در وجود
نور او مقصود مخلوقات بود
اصل معدومات و موجودات بود
حق چو دید آن نور مطلق در حضور
آفرید از نور او صد بحر نور
بہر خویش آن پاک جان را آفرید
بہر او خلق جہان را آفرید
آفرینش را جز او مقصود نیست
پاک دامن تر ازو موجود نیست
آنچہ اول شد پدید از جیب غیب
بود نور پاک او بے ہیچ ریب
بعد ازاں کاں نور عالی زد علم
گشت عرش و کرسی و لوح و قلم
یک علم از نور پاکش عالم است
یک علم و ذریت است او آدم است
چون شد آن نور معظم آشکار
در سجود افتاد پیش کردگار
قرنہا اندر سجود افتادہ بود
عمرہا اندر رکوع استادہ بود
سالہا ہم بود مشغول قیام

Marfat.com

در تشهد بود هم عمرے تمام
از نماز نور آن دریائے راز
فرض شد بر جملہ امت نماز
جزو کل چون امت او آمدند
خوشہ چین همت او آمدند
روز حشر از بهر مشتے بے عمل
امتی او گوید و بس زین قبل
حق برائے جان آن شمع ہدیٰ
مے فرستد امت او رافریٰ
در همہ کارے چو او بود اوستاد
کار اوست آنرا کہ کارے اوفتاد
گرچہ او هرگز بچیزے ننگریست
بهر هر چیزش نمے باید گریست
در پناہ اوست موجودیکہ هست
وز رضائے اوست مقصود یکہ هست
آنچہ از خاصیت او بود و بس
آن کجا در خواب بیند هیچ کس
سر عالم اوست در هر رشتہ
مرہم ریش دل هر خستہ
خویش را کل دید و کل را خویش دید
همچنان کز پس بدید از پیش دید
ختم کردہ حق نبوت راہرو
معجز و خلق و فتوت راہرو
دعوتش فرمود بهر خاص و عام
نعمت خود راہرو کردہ تمام

Marfat.com

کافران را داده مهلت در عقاب
نافرستاده بعهد او عذاب
دین و دنیا در پناه همش
زندگی داده ز بهر امتش
کرده درشب سوئے معرا جش روان
سرکل با او نهاده درمیان
بود از عز و شرف ذوالقبلتین
ظل بے ظلی او در خافقین
هم ز حق بهتر کتا بے یافته
هم زکل کل حسابے یافته
امهات مومنین ازواج او
احترام مرسلین معراج او
انبیا پس روشدند او پیشوا
عالمان امتش چون انبیاء
حق تعالیش از کمال احترام
برده در توریت و در انجیل نام
سنگ ازوے قدر و وقعت یافته
پس یمین الله خلعت یافته
قبله گشته خاک اواز حرمتش
مسخ منسوخ آمده در امتش
بعث اوشد سر نگونی بتان
امت او بهترین امتان
کرده چاه خشک را در خشک سال
قطره آب دهانش پر زلال
ماه از انگشت او بشگافته

Marfat.com

مہر در فرمائش از پس تاختہ
درمیان کتف او خورشید وار
داشتہ مہر نبوت آشکار
گشتہ در خیرالبلاد اور ہمون
وہو خیرالخلق فی خیر القرون
کعبہ زو تشریف بیت اللہ یافت
گشت ایمن ہر کہ دروے راہ یافت
جبرئیل از دست اوشد خرقہ دار
در لباس و جبہ زان شد آشکار
خاک در عہدش قوی تر چیز یافت
مسجدے گشت و طہورے نیز یافت
سریک یک ذرہ چون بودش نہان
امی آمد کوز دفتر بر مخوان
چون زبان حق زبان اوست بس
بہترین عہدے زمان اوست بس
روز محشر محو گرد و سربسر
جز زبان اوز بانہائے دگر
تاوم آخر کہ برے گشت حال
شوق کرد از حضرت عزت سوال
چون دلش بیخود شدے در بحر راز
جوش او میلی برفتے در نماز
چون دل او بود دریائے شگرف
جوش بسیاری زند دریائے ژرف
در شدن گفتی ارحنا یا بلال
تابرون آیم ازین ضیق خیال

Marfat.com

باز در باز آمدن آشفته او
کلیمنی یا حمیرا گفته او

زان شد آمد چون بیند شد خرد
ے نزانم تا بود یک جان زصد

حق رلور خلوت او رلو نیست
علم نیز از وقت او آگہ نیست

چون خلوت جشن سازد با خلیلؑ
پر بسوزد در نگنجد جبرئیلؑ

چون شود سیمرغ جانش آشکار
موسیٰ از دہشت شود موسیچہ وار

رفت موسیٰ بر بساط آنجناب
خلع نعلین آمدش از حق خطاب

چون بہ نزدیکی شد از نعلین دور
گشت در و لوالمقدس غرق نور

باز در معراج شمع ذوالجلال
ے شنود آواز نعلین بلالؓ

موسیٰ عمران اگرچہ بود شاہ
ہم نبود آنجاش با نعلین رلو

این عنایت بین کہ بہر رلو او
کرد حق با چاکر درگاہ او

چاکرش را کرد مو کوئے خویش
دلو با نعلین راہش سوئے خویش

موسی عمران چو آن رتبت بدید
چاکر او را چنین قدرت بدید

گفت یارب امت او کن مرا

Marfat.com

در طفیل همت او کن مرا
گرچه موسیٰ خواست این حاجت مدام
لیک عیسیٰ یافت آن عالی مقام
لاجرم چون ترک آن خلوت کند
خلق رابر دین او دعوت کند
برزمین آیدز چارم آسمان
روئے برخاکش نهد جان درمیان
هندوئے اوشد مسیح نامدار
زان مبشر نام کردش آشکار
گر کسے گوید کے مے بایدے
کوچو رفتی زان جهان باز آمدے
برکشاوے مشکل ما یک بیک
تانما ندے در دل ماہیچ شک
باز ناید کس ز پیدا و نهان
در دو عالم جز محمدؐ زان جهان
آنچه او آنجا به بینائی رسید
هر نبی آنجا بدانائی رسید
اوست سلطان و طفیل او همه
اوست دائم شاه و خیل او همه
چون بعمرک تاج آمد برسرش
خلق حالی با کمر شد بردرش
چون جهان از موئے اوپر مشک شد
بحر را از تشنگی لب خشک شد
کیست کو نه تشنه دیدار اوست
تابچوب و سنگ غرق کار اوست

Marfat.com

ابن عربیؒ کے تصوف میں وحدت الوجود کا بیان

محی الدین ابن عربی بلاشبہ ایک بلند پایہ صوفی بزرگ اور فلسفی مسلمان تھا جنہوں نے اسلام کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیئے ہیں۔ ڈاکٹر محسن جہانگیری نے اپنی کتاب (محی الدین ابن عربی' حیات و افکار) میں لکھا ہے کہ! وجود کے بارے میں کلام فلاسفہ و عرفان کی کتابوں میں چار اقوام ملتے ہیں! اول یہ کہ وجود کا مفہوم یہ ہی ہے بلکہ اول اوائل' اعرف معارف اور بدیہیات میں بھی بدیہی ترین حتیٰ کہ اس کی بداھت کا حکم بھی بدیہی ہے۔ اس لئے اس کے قایل حضرات نے نہ تو وجود کی تحدید اور تعریف کی ہے اور نہ اس کی بداھت کے اثبات میں کوئی دلیل لائے۔ البتہ ان لوگوں کی تحریروں میں اس بداھت کے بارے میں عبارتیں ملتی ہیں جو دلیل و برھان سے متابہ تو ہیں مگر خود دلیل و برھان نہیں بلکہ انہیں تنبیہہ و تائید کے درجے میں رکھا جا سکتا ہے۔ یہ حضرات وجود کی تجدید و تعریف کو صحیح معنوں میں ممکن نہیں سمجھتے تھے اور بعض حکماء اور متکلمین کی کتابوں میں وجود کی جو تعریفات اور حدود ملتی تھیں انہیں تعریف لفظی یا شرح اسمی سمجھتے تھے۔ دوم یہ کہ وجود کا تصور بدیہی ہے لیکن اس کی بداھت پر حکم لگانا نظری ہے' یہاں دلیل و برھان کی ضرورت پڑتی ہے۔

سوم یہ کہ وجود کا تصور نظری ہے۔

چہارم یہ کہ وجود کا تصور ممکن ہی نہیں تو بدیہی کہاں سے ہو گا۔ لہٰذا قول اول کو حق ماننا پڑے گا کہ مفہوم وجود بسیط ترین مفہوم ہے اور مرکب مفاہم کے برعکس نفس میں بلا واسطہ نمودار ہو کر ارتسام پاتا ہے یہ ہر قسم کی ترتیب و تجدید سے دور ہے نفس میں اس کا حصول آسان بھی ہے اور واضح اور روشن بھی۔

عرفان' فلسفہ اور علم کلام کی کتابوں اور رسالوں میں وجود کے اپنے افراد اور مصداقات پر صادق آنے کے بارے میں بہت سے اقوال ملتے ہیں جن میں سے چند اہم

Marfat.com

مختصراً" ذیل میں نقل کریں گے۔

دلیل اول

اگر حق تعالیٰ وجود مطلق نہ ہو تو یا تو عدم ہو گا یا معدوم- یا وجود ہو گا یا وجود مقید---- پہلے دو احتمالات بداھتاً" باطل ہیں کیوں کہ عدم اور معدوم کی تاثیر بالبداھت محال ہے اور اہل حکمت نے کہا ہے- معلوم کا عدم علت کے عدم کی وجہ سے ہے- یہاں مراد عدم تاثیر ہے نہ کہ تاثیر عدم- تیسرا احتمال کہ حق تعالیٰ وجود سے عبارت ہے ماقبل بیان شدہ مباحث کے مطابق باطل ٹھہرتا ہے کیونکہ موجود کی موجودیت اس کی وجہ سے ہے جو اس کا غیر ہے اور ہر وہ چیز جس کی موجودیت اس کا غیر ہو واجب الوجود نہیں ہو سکتی- چوتھا احتمال حتیٰ کہ وجود حق وجود مقید ہے بھی درست نہیں ہے کیوں کہ اگر فرض کیا جائے کہ واجب وجود اور قیود ہر دو سے عبارت ہے تو اسی صورت میں مرکب ٹھہرے گا۔

دلیل دوم

اگر وجود مطلق حق تعالیٰ کی حقیقت نہ ہو تو اس سے یہ ضروری ٹھہرتا ہے کہ وہ خاص وجود کا عین ہو یا خارج میں اس پر زائد---- (دوسری شق میں خارج کی قید اس لئے لگائی ہے کہ زیارت فی العقل کو عینیت کے قائلین بھی قبول کرتے ہیں) اور دونوں ہی غلط اور باطل ہیں- لازم اول یعنی اس کا وجود خاص سے عینیت رکھنا اس وجہ سے باطل ہے کہ اگر خصوصیت کی بنیاد اس کے اپنے اندر ہے تو وجود واجب کے لئے مرکب لازم آئے گا اور اگر اس کا منشاء خارج میں ہے تو واجب وہی وجود محض و مطلق ہو گا' اور خصوصیت اس کو عارض ہونے والی صفت ٹھہرے گی- لازم دوم اس لئے باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خارج میں وجود خاص پر زائد کہنا چند محالات کو مستلزم ہے مثلاً خارج میں وجود کا وجود پر تقدم اور وجود کا تعدد بلکہ لامتناہیت' جب کہ ہم نے اس کی وحدت خیال کی تھی۔

دلیل سوم

Marfat.com

صورتیں معانی و حقائق کے آثار ہیں اور حقائق ان میں تاثیر کرنے والے۔ مثلاً جیسے اطباء مختلف علامات کے واسطے سے صحت و مرض پر استدلال کرتے ہیں' دوا شناخت کرنے والے دوا کے رنگ' بو اور مزے سے دوا کے خواص پہچان لیتے ہیں اور صاحب فراست علماء مخلوق کے ظاہر سے ان کے اخلاق' مزاج اور رویے بوجھ لیتے ہیں---- اسی لئے وجدان سب دلیلوں سے قوی دلیل ہے' کیونکہ حرکت ظاہر معلول ہے اور تاثیر باطنی اس کی علت۔ عام اس سے کہ متحرک کو اس علت کے ہونے کا علم ہو یا نہ ہو---- جب یہ بات طے ہو گئی کہ حقیقت ہی صورت میں مؤثر ہے تو پھر آثار عام حقائق عامہ شاملہ پر مبنی ہوں گے اور یہ اس امر کو مستلزم ہے کہ حقیقت مؤثر ہی تمام موجودات کی حقیقت ہو جو ان سب کو شامل اور سب کے لئے عام ہو اور یہی وجود مطلق کی حقیقت ہے۔

دلیل چہارم

وجود مطلق موجود ہے۔ ایک صحیح اور بدیہی قضیہ ہے کیونکہ حمل شئے عین الشے ضروری ہے اور سلب شئے عن الشئے محال ہے' چنانچہ وجود مطلق کا ہونا ضروری ہے اور نیتجہ" واجب---- کیونکہ جس کا ہونا ضروری ہو وہ واجب ہے۔ اور چونکہ تعدد واجب محال ہے لہٰذا واجب ایک ہی ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ ہے----

دلیل پنجم

اگر وجود مطلق موجود نہیں ہو گا تو معدوم ہو گا' ورنہ بدیہیات عظیمہ کا غلط ہونا لازم آئے گا اور علمیات پر اعتبار اٹھ جائے گا۔ پس اس صورت میں اگر معدوم کے معنی متصف بالعدم کے لئے جائیں تو وجود کا عدم کے ساتھ اتصاف اور اس کے نتیجے میں اجتماع لازم آئے گا۔ اگر معدوم کے معنی سراسر مرتفع کے ہوں تو اس سے وجود مطلق کا ارتفاع اور نیتجہ" ہر وجود حتیٰ کہ وجود واجب کا بھی ارتفاع لازم آئے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے مطلق انسانیت کے ارتفاع کا مطلب ہے ہر انسان کا ارتفاع' کیونکہ جب وجود واجب کا ارتفاع ممتنع ہے تو وجود مطلق کا ارتفاع بھی ممتنع ہو گا اور وہ چیز

Marfat.com

جس کے وجود کا ارتفاع ممتنع ہو گا' واجب الوجود ہو گی۔ پس وجود مطلق وہی وجود واجب ہے اور وجود واجب وہی وجود مطلق۔۔۔۔ (محی الدین ابن عربی۔ حیات و آثار۔ ڈاکٹر محسن جہانگیری۔ 256_257)

ابن عربی کا خیال ہے کہ حقیقت وجود اصل ہے تمام آثار کا منشاء ہے' بالذات دافع عدم ہے' خیر محض ہے' واحد ہے اور اس کی وحدت شخصی ہے نوعی نہیں ذاتی ہے عددی نہیں' جملہ شروط سے آزاد ہے حتیٰ کہ شرط اطلاق سے بھی تمام قیود سے مطلق ہے حتیٰ کہ قید اطلاق سے بھی۔

مطلب یہ کہ وجود حقیقت واحد ہے اور اس کے برعکس جو بھی ہمیں حواس کے ذریعے محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً موجودات خارجی اور جو عقل سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً خدا اور عالم' حق اور خلق کی دوئی حقیقت وجود فریدہ اور عین واحد کے دو پہلو ہیں۔ یعنی وجود حقیقت واحد ہے اس کی کوئی مثل ہے نہ ضد پس عارف اس کون امکانی کو جو مفارقت اور کثرت کا مبداء ہے معدوم دیکھتا ہے اور کوئی چیز نہیں پاتا۔ مگر ذات حق عین وحدت ہے بنا بریں یہاں غیریت تو موجود ہی نہیں نہ کوئی واصل ہے نہ موصول کوئی مباحن ہے نہ مفارق کیوں کہ ہر شے حق تعالیٰ کی وحدت حقیقی کے عین میں فناء ہو گئی ہے سو دل کی آنکھوں سے دیکھنے والا عارف عین حق کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔

ڈاکٹر محسن جہانگیری کے مطابق کہ ابن عربی کے وحدت الوجود میں حق تعالیٰ اور عالم کا وجود ایک ہے اور عین ہمدیگر لیکن ایک اور اعتبار سے یہ دونوں آپس میں غیر ہیں۔۔۔۔ اعیان اور ممکنات کے مظاہر میں حق تعالیٰ اپنے اسماء و صفات کے وسیلے سے تجلی فرما ہونے کی حیثیت سے خود ہی عالم ہے۔ مگر اپنی ذات کے اعتبار سے جو تمام اوصاف اور نسبتوں سے مجرد و منزہ ہے۔ حق تعالیٰ عالم کا غیر ہے اور اس سے ماوراء اسی بناء پر حق کے مقابل خلق یعنی عالم میں معنی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے جب حق تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات پر گفتگو ہوتی ہے تو لا محالہ عالم اور اس کے اوضاع و خصوصیات کے مباحث بھی پہنچ جاتے ہیں کیوں کہ عالم اور اس کے تمام امور اسمائے الٰہی کے مظاہر تو ہیں۔ جیسا کہ ابھی مذکور ہوا کہ ایک اعتبار سے حق اور خلق میں تقابل کی نسبت پائی جاتی ہے۔

Marfat.com

ابن عربی کے افکار و نظریات پر تفصیل سے گفتگو کرنے کے بعد اب ہم ایک بار پھر اور آخری بار ان کے حوالے سے نبوت' رسالت اور ولایت پر مختصراً" بحث کریں گے تاکہ پتہ چل جائے کہ نبوت' رسالت اور ولایت کے بارے میں ابن عربیؒ کے نظریات کیا ہیں! علم العلام کی ایک مستند کتاب شرح مقاصد کے مطابق!

نبوت حق تعالٰی کی جانب سے مخلوق کی طرف انسان کی بعثت ہے---- نبی وہ بشر ہے جسے خدا نے بھیجا ہے تاکہ جو کچھ اس پر وحی کیا جائے لوگوں تک پہنچا دے' رسول کا لفظ بھی عام طور پر اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے---- معتزلہ میں چند سے یہ منقول ہے کہ نبی وہ شخص ہے جو کسی کتاب یا الہام خواب میں عطا ہونے والی آگاہی کے واسطے سے' منجانب اللہ خبر دیتا ہے' لیکن رسول وہ ہے کہ فرشتہ وحی اس پر نازل ہوتا ہے اور وحی الٰہی کو اس تک پہنچاتا ہے"____ گویا معتزلہ کا یہ گروہ نبی اور رسول میں یہ فرق دیکھتا ہے کہ نبی کے برخلاف رسول پر وحی کا فرشتہ نازل ہوتا ہے' تاہم معتزلہ ہی کے ایک بڑے آدمی قاضی عبدالجبار معتزلی نبی اور رسول کے درمیان کوئی فرق نہیں مانتے---- آپ نے دیکھ لیا کہ ہماری بات یہاں سچ نکلی کہ نبوت اور رسالت کی تعریف کے مرحلے پر متکلمین کی عبارت آپس میں خاصا تفاوت رکھتی ہیں۔ بعض حضرات نبی اور رسول میں فرق کرتے ہیں جب کہ کچھ دونوں کو ایک سمجھتے ہیں---- اور پھر وہ لوگ جو اصولاً نبوت اور رسالت میں فرق کے قائل ہیں' جب اس فرق کی نشاندہی کرنے پر آتے ہیں تو ان میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے' کوئی ایک فرق بتاتا ہے اور کوئی دوسرا---- بہرحال نبوت اور رسالت کے باب میں متکلمین کے افکار کا ذرا سا نمونہ تو سامنے آ ہی گیا' اب ہم ابن عربی اور ان کے مقلدین کی طرف رجوع کریں گے' کیونکہ شیخ کے یہاں یہ مبحث بڑی اہمیت کا حامل ہے----

ابن عربی نبوت اور رسالت ۔ میان ایک واضح فرق دیکھتے ہیں ان کے نزدیک نبوت وحی کے ذریعے حقائق یعنی حق تعالٰی کی ذات اسماء اور صفات کی خبر رسانی اور احکام شریعت کی معرفت کا نام ہے۔ لہٰذا وہ شخص ہے جو وسیلہ وحی مذکورہ حقائق کی آگہی اور احکام شریعت کی معرفت رکھتا ہے۔

ویسے تو رسالت بھی نبوت ہی ہے لیکن میں شریعت کی تبلیغ' احکام کی تعلیم' اخلاق کی تربیت' حکمت کی تعلیم اور ریاست و حکومت کا قیام ایسے امور بڑھے ہوئے

Marfat.com

ہیں۔ رسالت کو تشریعی نبوت بھی کہتے ہیں، یعنی تبلیغ شریعت کے اضافے کے ساتھ رسول بھی نبی ہی ہے۔ چونکہ رسالت وصف الٰہی نہیں بلکہ وصف کونی ہے اور مرسل، مرسل الیہ اور مرسل بہ کے بیچ واسطہ ہے، پھر یہ رسول کا حال ہے نہ کہ اس کا مقام، لہٰذا منقطع بھی ہو جاتی ہے، یعنی تبلیغ احکام کا وقت پورا ہو جائے تو رسالت زائل ہو جاتی ہے۔۔۔۔

ابن عربی سے پہلے بھی جس طرح عربی لغت اور اسلامی فقہ میں نبوت و رسالت کے مسئلے پر گفتگو ہوتی آئی تھی، اسی طرح مسئلہ ولایت بھی فقہ اسلامی بالخصوص فقہ جعفری میں ایک بڑا موضوع بحث رہا ہے۔ اس لئے نامناسب نہ ہو گا اگر ابن عربی اور ان کے دبستان کے عقائد بیان کرنے سے پہلے دلالت کے لغوی اور فقہی مفاہیم کی طرف بھی تھوڑا سا اشارہ کر دیا جائے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ فقہ اور تصوف دونوں میں ایک اصطلاح کے طور پر ولایت کے جو معانی پائے جاتے ہیں وہ آپس میں ایک ادنیٰ سی ظاہری مشابہت تو ضرور رکھتے ہیں، کیونکہ دونوں جگہ اس کا مفہوم متعین کرنے میں لغت سے مدد لی گئی ہے، مگر اپنے استعمال کے حدود میں ولایت فقہی اور ولایت عرفانی ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔

لغت میں ولایت کے کئی معنی ملتے ہیں، مثلاً: قرب، نصرت، محبت، تملک، تدبیر، دوست داری اور تصرف۔ یہ لفظ قرآن مجید میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔۔۔۔ ولایت کے فقہی مطالب بھی انہی کی سند پر متعین کئے گئے ہیں۔۔۔۔

ابن عربی اور ان کے پیرو ولایت کی دو قسمیں مانتے ہیں: ولایت عامہ جو سب اہل ایمان کو حاصل ہے، تمام مومنین اپنے ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا قرب رکھتے ہیں اور وہ ان کے سارے معاملات و امور کا نگہبان۔ (محی الدین ابن عربی۔ احوال و آثار۔ ڈاکٹر محسن جہانگیری۔ ص۔ 436-437)

مختصر یہ کہ ابن عربی اور ان کے پیروکار دراصل یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خود نبی رسول کا مرتبہ ولایت ان کے مقام نبوت و رسالت سے افضل ہے۔ اس بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی غیر نبی اور غیر رسول کی ولایت نبی اور رسول کی نبوت و رسالت پر فضیلت رکھتی ہے۔

Marfat.com

چھٹا باب

مولانا جلال الدین رومیؒ: حیات و افکار

مولانا جلال الدین رومی بلخی دسمبر 1207ء کو افغانستان کے صوبہ بلخ میں پیدا ہوئے اور 1273ء کو فوت ہوئے۔ ان کی مدت حیات پوری تیرہویں صدی پر محیط ہے۔ رومی کی زندگی مسلم عیسائی جنگوں میں گزر گئی تھی۔ 1215ء کو سینٹ ڈومینک راہب مبلغوں کا ایک حلقہ قائم کر چکا تھا۔ اس وقت مولانا رومی کی عمر آٹھ برس تھی۔ رومی کی پیدائش سے ایک سال پہلے ہندوستان کو افغان حکمران محمد غوری کے روپ میں اپنا پہلا مسلمان بادشاہ میسر آیا۔ جب رومی پیدا ہوئے تو سینٹ فرانس پہلے ہی سے آیلی کے غریبوں اور مسکینوں میں تبلیغ کر رہا تھا۔

اسلام کے جوش و جذبہ میں امام غزالی نے جو زور پیدا کیا تھا وہ صلیبیوں کے ساتھ موت و حیات کی کشمکش میں ختم ہو گیا تھا اور یہ مذہبی جنگ دو سو سال تک جاری رہی۔ اب مسلم معاشرہ کے مردہ جسم میں روح ڈالنے کے لئے مولانا جلال الدین رومی کا نام سرفہرست تھا۔ مولانا جلال الدین رومی جب پہلی بار قونیہ آئے تو وہ تقریباً بائیس سالہ نوجوان تھے جو سفر انہیں حصول علم کی خاطر کرنے پڑے انہیں چھوڑ کر باقی ساری زندگی انہوں نے یہیں گزار دی اس لئے اس شہر کے بارے میں کچھ ضروری معلومات درج کرنا نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جسے رومی کی زندگی میں بڑا اہم کردار ادا کرنا تھا۔

ڈاکٹر افضل اقبال نے اپنی کتاب (مولانا رومی' حیات و افکار) میں لکھا ہے کہ اس شہر نے مولانا رومی کو اس وقت اپنے دامن میں پناہ دی تھی جس وقت ایک ایسے ملک میں پناہ حاصل کرنا آسان نہ تھا جو افراتفری کا شکار ہو چکا تھا قونیہ میں لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور جلال الدین رومی اپنے والد گرامی کے ساتھ وہاں قیام پذیر ہوئے۔ مولانا

Marfat.com

جلال الدین رومی کو وہاں شہرت حاصل ہوئی بادشاہوں اور پڑھے لکھے لوگوں میں شامل ہو جاتا تھا جس سے ان کا حلقہ اثر بہت وسیع ہو گیا تھا اور خود بادشاہ ان کے پاس آ کر گفتگو کرتا تھا۔ (مولانا رومی' حیات و افکار' ڈاکٹر افضل اقبال۔ ص۔ 38)

رومی تنہا ایسے شخص نہ تھے جو اس دور میں قونیہ آئے بلکہ کئی ایک شخصیتیں بھی یہاں آئیں جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر مولانا صدرالدین قونیوی ہے۔

رومی کے ابتدائی سوانح نگاروں نے ان کے لئے مولوی کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے بلکہ وہ مولانا روم کے نام سے مشہور ہوئے۔ رومی ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو کئی نسلوں سے صوبہ خراسان کے شہر بلخ میں مقیم تھا۔ اسی خاندان نے اسلام کے لئے گراں قدر خدمات سر انجام دیئے تھے۔ رومی کے والد بہاء الدین ایک عالم و فاضل شخص تھے۔ بہاء الدین 1148ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔ ان کی پیدائش سے پہلے امام غزالی پر سخت تنقید جاری تھی۔ مولانا جلال الدین رومی کے دادا حسین ابن احمد خطیبی بڑے فاضل شخص تھے۔

بہاء الدین اور فخرالدین رازی کا باہمی تصادم اس قدر تند و شدید ہو گیا تھا کہ اس کے متعلق اکثر یہ کہا گیا ہے کہ اسی کے نتیجے میں رازی کے ایما پر بہاؤ الدین کو بلخ سے جلا وطن کر دیا گیا۔ تاہم یہ نظریہ تحقیق کا زیادہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ایک فلسفی کو صوفیوں کے وجد آور گریز سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی اور رازی کو تو خاص طور پر صوفیوں سے اس قدر کد تھی کہ اس نے مجدالدین بغدادی کو دریا سے جیحوں میں غرق کرا دیا تھا۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ دربار میں رازی کا کس قدر اثر و رسوخ تھا۔ بادشاہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ اسے ملنے کے لئے خود اس کے گھر بھی جاتا تھا۔ رازی کی صوفیوں سے نفرت کا ثبوت نہ صرف اس سلوک سے ملتا ہے جو اس نے مجدالدین بغدادی سے روا رکھا بلکہ اس جذبے کی ایک اور دلچسپ روداد "تاریخ وصاف" میں ملتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ صوفیوں کا بڑا گرویدہ تھا اور آڑے وقتوں میں ان کی تائید و تعاون کا طلب گار ہوتا تھا۔ ایک بار فلسفی نے بادشاہ سے ایک عملی مذاق کر دیا۔ اس نے شاہی اصطبل کے دو محافظوں کو صوفیوں کا لباس پہننے کا حکم دیا' ان کے اردگرد

Marfat.com

بہت سے لوگ جمع کر دیئے گئے۔ گویا وہ ان کے شاگرد اور مرید ہوں۔ بادشاہ سے گزارش کی گئی کہ ان کو شرف ملاقات بخشے۔ بادشاہ ان سے ملنے چلا گیا۔ ان کی خدمت میں ایک مخلص عقیدت مند کی طرح بیٹھا رہا اور بڑی سنجیدگی سے ان کی مدد کا طالب ہوا۔ بعدازاں رازی نے بادشاہ کو اصل صورت حال سے آگاہ کیا اور یہ بات اس کے ذہن نشین کرائی کہ ظاہری وضع قطع انسان کو دھوکے میں ڈال دیتی ہے اور خرکار بھی روحانی پیشواؤں کا روپ دھارے پھرتے ہیں۔

صوفیوں کے بارے میں رازی کی عمومی رائے اچھی نہ تھی۔ بہاؤ الدین کی مخالفت کے لئے اس کے پاس معقول وجہ یہ تھی کہ بہاؤ الدین اس کی اور اس کے نظام فکر کی کھلم کھلا ہنسی اڑاتے تھے۔ ان کی کتاب "المعارف" کا ایک پورا باب رازی پر طعنوں اور ملامتوں سے پر ہے۔ یہ درست ہے کہ رازی نے اپنے اور اپنے نظام فکر کے خلاف بہاؤ الدین کے علانیہ طعنوں پر سخت گرفت کی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ فلسفی اور صوفی کے درمیان ان بن شروع ہو چکی تھی لیکن اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے کہ بہاؤ الدین کی جلا وطنی کے لئے رازی نے ساز باز کی تھی کوئی قطعی شہادت موجود نہیں۔ افلاکی کے مطابق دونوں کے درمیان 1208ء میں اختلاف پیدا ہو گیا اور بہاؤ الدین افغانستان چھوڑ کر چلے گئے۔

منگولوں کا ظلم و بربریت پر مولانا جلال الدین رومی نے کہا!

چونکہ از بلخیاں بہائی ولد
گشت دل خستہ آن شہ سرمد
ناگہش از خدا رسید خطاب
کاہی یگانہ شہنشاہ اقطاب
بدر از میان این اعدا
تافرستمشان عذاب و بلا
کرد از بلخ عزم سوئے حجاز
زانکہ شد کار گرد روان راز
بود در رفتن و رسید خبر

Marfat.com

کہ آزان راز شدیدید ابر

رومی کا کوئی سوانح نگار ان کے والد کی افغانستان سے ہجرت کا سال متعین نہ کر سکا۔ بہرحال جب بہاؤ الدین ترکی پہنچا تو ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا بعدازاں وہ نیشا پور اور وہاں سے بغداد گئے جہاں ان کی ملاقات شیخ شہاب الدین سہروردی سے ہوئی۔ وہاں دو روز قیام کرنے کے بعد وہ مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ بہاؤ الدین 1220ء میں بغداد سے رخصت ہوئے یعنی سقوط بغداد کے سال۔ شبلی کے بقول بغداد میں ان کا مدتوں قیام رہا۔ بغداد سے رومی والد کے ساتھ شام روانہ ہوئے وہاں سے زنجان چلے گئے اور ان کی شادی خواجہ لا لائی سمرقندی کی بیٹی گوہر خاتون سے کرا دی گئی۔ اگلے برس میں رومی کا ایک لڑکا پیدا ہو گیا۔ بدقسمتی سے پیدائش کی وقت رومی کے والد کی عمر ساٹھ برس تھی۔ بہرحال انہوں نے رومی کی تربیت میں محنت سے کام کیا۔ (مولانا رومی، حیات و افکار، ڈاکٹر افضل اقبال، ص۔ 58، 63، 64)

رومی کے والد نے اپنے ایک فاضل مرید برھان الدین محقق ترمزی کو اپنے بیٹے کی تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا وہ رومی کا استاد اور اتالیق تھا وہ افغانستان میں رومی کے والد کا مرید بن گیا تھا۔ چنانچہ بلخ سے ہجرت کرنے سے قبل انہوں نے برہان الدین کو یہ ذمہ داری دی تھی۔ رومی کے اتالیق کے طور اس کا انتخاب بتاتا ہے کہ وہ بہاؤ الدین ولید کو کس درجہ عزیز تھا۔ رومی نے اپنے عہد کی بہترین روایات کے مطابق اپنے استاد کے قدموں میں محبت و فرض شناسی سے تعلیم حاصل کی۔

مولانا جلال الدین رومی نے جو بیس برس کی عمر میں نصاب مکمل کر لیا بلکہ وہ میدان علم میں بہت کچھ حاصل کر چکے تھے کیوں کہ خوش قسمتی سے انہیں ایک ایسا اتالیق مل گیا تھا جو فاضل بھی تھا اور مخلص بھی تھا۔

مدتی چون بماند در ھجران
طالب شیخ شد خویش برھان
گشت بسیا رو ارز آخرکار
داد بادی خبرکی مختار
گفت شیخت بران کہ در روم است

Marfat.com

نیست پنہاں بہ جملہ معلوم است
عشق شیخ اش چو شد بر او غالب
چونکہ شادان بقونیہ برسید
شیخ حوز راز شہر بان پر سید
ہمہ گفتند آنکہ می جوئی
ہر طرف بہرا وہمی پوئی
ہست سالے کہ رفت از دنیا
رخت را بردہ باز در عقبیٰ

برہان الدین اپنے مرشد کی وفات کے بعد اپنے شاگرد کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اب اپنے والد کا گدی نشین تھا اور اپنے ہزاروں مریدوں کی روحانی زندگی کی رہنمائی کر رہا تھا۔ استاد نے قونیہ پہنچ کر اپنے شاگرد کو مادی علوم میں کامل پایا بلکہ اس معاملے میں اسے اس کے والد سے بدرجہا بہتر پایا۔ اب استاد نے شاگرد کو علم باطنی کا وہ ذخیرہ منتقل کرنا چاہا جو اس نے اپنے پیرو مرشد یعنی رومی کے والد سے حاصل کیا تھا۔ شاگرد نے خود کو کلی طور پر اپنے استاد کے حوالے کر دیا جس نے نو برس میں یہ تربیت درجہ تکمیل تک پہنچائی۔ یہ کامل سپردگی اور غیر مشروط عقیدت کا عمل تھا--- علمی جستجو کا ایک ایسا عمل جو محنت طلب بھی تھا اور لگاتار بھی--- ایک ایسا عمل جو موت کا وار بھی کرتا تھا اور زندگی کو تر و تازگی بھی بخشتا تھا--- ایک ایسی متضاد حقیقت جو صرف تصوف کی دنیا ہی میں ممکن ہو سکتی ہے۔ (مولانا رومی۔ حیات و افکار۔ ڈاکٹر افضل اقبال۔ ص۔ 65-66)

Marfat.com

مولانا جلال الدین رومیؒ اور مثنوی رومی

میں کیا ہوں، مقصد زندگی کیا ہے اور کہاں جا رہا ہوں، کیا بنے گا اور خالق و مخلوق کا تعلق کس طرح ہے۔ ان سوالات کا جواب اہل علم کے لئے ضروری ہے۔ مولانا جلال الدین رومی بلخی مثنوی کے آغاز میں بانسری کی فریاد کا ذکر کرتے ہیں اور بانسری کی تشبیہ سے روح انسانیت کی ماہیت اور اس کے مقصود کو دلسوز انداز میں پیش کرتے ہیں۔ بانسری سے متعلق اشعار رومی تصوف اسلامی کی اساس ہے۔ اگر روح کو بانسری سے تشبیہ دی جائے تو عالم ارواح ایک عالم نیستان بن جاتا ہے۔ ارواح کا خدا سے فراق ایک سرسرمدی ہے جس کا کوئی عقلی توجیہ ممکن ہے کیوں کہ صوفیائے کرام کے نزدیک یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں!

بشنوازنی جو حکایت می کند
وز جدائی ھا شکایت می کند
کزنیستان تامرا بریدہ اند
ازنیفرم مرد و زن نالیدہ اند
ہر کسی گو دور ماند از اھل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

جس طرح بانسری کٹ کر آتی ہے اور فریاد کرتی ہے اس طرح روح انسانی بھی شکایت کرتی ہے، وہ جدائی سے شکایت کرتی ہے، فریاد کرتی ہے اور اپنی اصل کی تلاش میں ہے، روح کہتی ہے کہ جس دن مجھے اپنی اصل سے جدا کر دیا گیا ہے میں اسی دن سے فریاد و فغاں میں مبتلا ہوں۔

Marfat.com

وہ کہتی ہے کہ مجھے جدائی سے پارہ پارہ سینہ چاہئے اور جو شخص اصلیت سے علیحدہ ہو جاتا ہے وہ واپس اصلیت کی طرف جانے کی کوشش میں مصروف ہوتا ہے اور میں بھی اسی وجہ سے فریاد کر رہا ہوں کہ مجھے اصل سے ملا دیا جائے۔

راز حیات اسی نالہ فراق میں مضمر ہے حقیقت کو منور کرنے والا نور چشم و گوش میں نہیں ہے۔ محبت اور عشق کو عالم طور پر آگ سے تشبیہ دی جاتی ہے اس لئے جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ بانسری میں بظاہر ہوا گردش کرتی ہے لیکن یہ ہوا نہیں بلکہ آتش عشق ہے۔

من بہ ھر جمعیتی نالان شدم
جفت خویش حالان وبد حالان شدم
ھر کسی از ظن خود شد یار من
وز دروں من نہ جست اسرار من
سر من از نالہ من دور نیست
لیک چشم رادید جان دستور نیست
تن زجان و جان زتن مستور نیست
لیک کس رادید جان دستور نیست
آتش است این بانگ نی و نیست باد
ھر کہ این آتش ندارد نیست باد
آتش عشق ست کاندر نی فتاد
جوشش عشق است کاندر می فتاد
نی حریفی ھر کہ ازیاری برید
پردہ ھایش پردہ ھای ما درید
ھم چونی زھری و تریاقی کہ دید
ھمچونی دم ساز و مشتاقی کہ دید

مندرجہ بالا چند اشعار مثنوی میں روح فریاد کرتی ہے کہ میں ہر کسی کے پاس جا کر

Marfat.com

روتی ہوں اور مجھے جبرا" ہر عادل و ظالم انسان کے وجود میں داخل کر دیا گیا ہے جبکہ میری مرضی ایسی نہیں تھی۔ یہ کیسا انصاف ہے کہ میں ہر کس و ناکس کے اندر فریاد کر رہی ہوں اور اپنی اصل کی طرف واپس جانے کے لئے فریاد کر رہی ہوں۔

بہرحال خدا نے مجھے جس شخص کے اندر داخل کر دیا اس نے میرے ساتھ اپنے ضمیر کے مطابق دوستی کر لی۔ میں جو فریاد کرتی ہوں وہ سب پر عیاں ہے لیکن افسوس کہ کسی کو اس کا صحیح ادراک نہیں ہے کہ میں کیوں رو رہی ہوں اور کب تک روتی رہوں گی حالانکہ وجود مجھ سے اور میں وجود سے پوشیدہ نہیں ہوں ہم ایک دوسرے کے راز جانتے ہیں تاہم یہ ایک راز ہے کہ میں کسی کو نظر نہیں آتی ہے۔ مولانا جلال الدین رومی بلخی کہتا ہے کہ روح کی فریاد آگ کی طرح بھڑک اٹھتی ہے اور یہ جلدی سے قابل فہم بات نہیں ہے۔

حرص مال کے متعلق مولانا جلال الدین رومی نے ایک اور تشبیہ استعمال کی ہے کہ حیات انسانی کی کشتی کو چلانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے نیچے اتنا پانی ہو جو اس کو خوبی سے تیرا سکے۔ اس سے زیادہ مقدار اب کی کشتی کو ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے نیچے اور سو پچاس گز گہرا پانی ہو یا پانچ میل گہرا سمندر' وہ سب فالتو پانی ہے۔ کشتی کی روانی کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ضرورت سے زیادہ مال کی حرص جب انسان کے دل کے اندر داخل ہو جاتی ہے تو وہ زندگی کی خرابی کا باعث ہوتی ہے' بعینہ جیسے پانی اگر کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو اس کو ڈبو دیتا ہے۔ زندگی کے فطری اور حقیقی مقاصد کے لئے بقدر ضرورت مال لازمی ہے۔ پیغمبروں کو بھی استحکام دین اور اشاعت دین کے لئے کچھ مال کی ضرورت ہوتی ہے لیکن مال اہل دل کے لئے ذخیرہ خیر ہوتا ہے' وہ خود مقصد نہیں بن جاتا۔ دل کے اندر مال کا کوئی مقام نہیں۔ مال صالح رحمت ہے اور مال غیر صالح یا وافر از ضرورت زحمت اور آفت ہے:

مال را گر بہر دین باشی حمول
نعم مال صالح گفتا رسول
آب در کشتی ہلاک کشتی است
زیر کشتی بہر کشتی پشتی است

Marfat.com

حرص کا واحد علاج صفات عالیہ کا عشق ہے جن کا کمال ذات الٰہی میں پایا جاتا ہے۔ اس قسم کا عشق تمام جسمانی اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔ تخلقوا باخلاق اللّٰہ جو غایت حیات ہے' اس کا راستہ اور ذریعہ عشق الٰہی ہے جو تمام ادنیٰ اور اسفل اور آنی جانی تمناؤں کو سوخت کر دیتا ہے۔ حکمت جسمانی اور حکمت روحانی سب کا سرچشمہ یہی ہے:

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد
اوز حرص و عیب کلی پاک شد
شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

مقصود حیات بلند ترین مقامات کی طرف پرواز ہے جن کا منتہا خدا کی ذات ہے ; منزل ما کبریاست---- حرص سے اس پرواز میں کوتاہی پیدا ہوتی ہے۔ روح کے پر و بازو حرص مال اور حب جاہ کے بوجھ سے محروم پرواز ہو جاتے ہیں:

اے طائر لا ہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے پیدا ہو پرواز میں کوتاہی

(تشبیہات رومی۔ ص۔ 12-13)

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جان طور آمد عاشقا
طور مست و خر موسیٰ صاعقہ
بالب دمساز خوز گر جفتمی
ھم چونی من گفتنی ھا گفتمی

Marfat.com

ھر کہ آوازی ھم زبانی شد جدا
بی نواشد گرچہ دار و صد نوا
چونکہ گل رفت و گلستان درگزشت
مثنوی زین پس ز بلبل سرگزشت
آن چہ می گوید اندر این دو باب
گر بگویم من جہان گرد و خراب

مولانا جلال الدین رومی کا خیال ہے کہ عشق کی ہی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں تک پہنچے تھے اور عشق ہی کی بدولت کوہ طور ناچنے لگا اور عشق نے اس ساکن و غیر متحرک پہاڑ میں جان ڈال دی۔ علاوہ ازیں مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ اگر میرا مخاطب کوئی دوست میری ہی مانند عاشق کامل ہوتا تو میں روح کی مانند عشق و محبت کی داستانیں بیان کرتا۔

عشق و عقل، آفتاب و سایہ اور اعتدال آرزو پر ڈاکٹر فلسفہ عبدالحکیم نے اپنی کتاب تشبیہات رومی دفتر اول۔ ص۔ 14-17 میں اس طرح بحث کی ہے!

Marfat.com

رومی کا تصور عشق

ذیل میں ہم جن اشعار رومی پر بحث کریں گے وہ عشق سے متعلق ہیں! یہ موضوع مولانا جلال الدین رومی' فریدالدین عطار نیشا پوری' حکیم سنائی غزنوی' مولانا عبدالرحمٰن جامی اور دیگر صوفیائے کرام کا انتہائی مرغوب و محبوب موضوع ہے۔

اپنی کتاب (ھشت گفتار دربارہ مثنوی معنوی) میں ڈاکٹر آفتاب اصغر لکھتے ہیں!

عام طور پر عشق کو دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے ان دو قسموں میں سے پہلی قسم وہ ہے جس کو عشق مجازی کہا جاتا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جسے عشق حقیقی کا نام دیا جاتا ہے۔ عشق مجازی سے مراد وہ عشق ہے جو کسی گوشت پوست کے انسان کو کسی دوسرے پوست گوشت کے فانی انسان سے ہوتا ہے۔ جبکہ عشق حقیقی وہ عشق ہے جو بندے کو ذات خداوندی سے ہوتا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی نے خوب کہا ہے!

عشق ھائی کز پی رنگی بود
عشق نبود عاقبت ننگی بود

وہ عشق جو کسی کے رنگ روپ کی وجہ سے ہوتا ہے وہ عشق نہیں ہوتا بلکہ ہوس ہوتی ہے جو انجام کار ننگ و رسوائی پر منتج ہوتی ہے۔ لہٰذا

عشق آن زندہ گزین کو باقی است
وز شراب جانفزایت ساقی است

اس زندہ جاوید ہستی کا عشق اختیار کر جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اہل تصوف کا یہ عقیدہ ہے کہ روح انسانی جو کہ مشیت ایزدی کے تحت روح رحمانی یا روح مطلق سے الگ کر کے ایک خاص وقت تک کے لئے قفس عنصری میں مقید کر دی گئی ہے کل

Marfat.com

شئی یرجع الیٰ اصلہ کے مصداق جس طرح قطرہ سمندر سے ذرہ آفتاب اور کونج ڈار سے ملنے کو بے چین رہتی ہے۔ (ھشت گفتار دربارہ مثنوی معنوی۔ ص۔ 9-10)

روح انسانی کے روح رحمانی سے اس ازلی و ابدی فراق اور اس دوری کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی نے خوب کہا ہے!

بند بگسل باش آزاد ای پسر
چند باشی بند سیم و بند زر

یعنی کب تک دولت و زر کی ہوس میں مبتلا رہیں گے اے بندہ گنہگار۔ اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو دل سے دولت و حال کی محبت نکال دو۔

هر کرا جامہ زعشقی چاک شد
اوز حرص و غیب کلی پاک شد

اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ عشق خداوندی' تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کا بہترین ذریعہ ہے جو شخص خدا سے لو لگا لیتا ہے اس کے دل میں اس قدر لطافت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ حرص کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

شادباش اے عشق خوش سودای ما
ای طبیب حملہ علت ھای ما

اس شعر میں مولانا جلال الدین رومی نے عشق حقیقی کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اور اسے اولاد آدم کے جملہ جسمانی و روحانی امراض کا معالج قرار دیا ہے۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

اس شعر میں مولانا جلال الدین رومی نے معراج محمدؐ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے اور حضر موسیٰؑ کی فرمائش پر تجلی حق کے نتیجہ میں کوہ طور کے کپکپانے کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ھشت گفتار دربارہ مثنوی و معنوی۔ ص۔ 12' 13' 14)

Marfat.com

مولانا جلال الدین رومی کی غیر فانی شہرت ان کی مثنوی کی وجہ سے ہے۔ مولانا سے پہلے اور بعد میں ہر دور کے شعراء نے مثنویاں لکھی ہیں لیکن جلال الدین رومی کی مثنوی اس قدر مشہور ہوئی کہ اگر شاعر کا نام لئے بغیر صرف لفظ مثنوی کیا جائے تو ذہن فوراً" مثنوی رومی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ مثنوی رومی میں فنی کمزوریاں بھی ہیں اور فصاحت و بلاغت کے بہترین نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔

من ندا نم فاعلاتن فاعلات
شعر گو یم بہ از قند و بنات

مثنوی کی عالمگیر مقبولیت کے اسباب میں اولاً اس کے اخلاقی و عارفانہ موضوعات اور دوسرے اس کا اسلوب بیان ہے۔ رومی نے قرآنی حقائق و معارف اور اخلاقی رموز و نکات معاشرے کے ساتھ پیش کرنے تھے۔ ان کے حلقہ خطاب میں ہر قسم کا انسان آتا ہے۔

رومی نے اپنے وسیع حلقہ خطاب کی رعایت ایک اور طریقے سے بھی کی ہے انہوں نے مثنوی میں حقیقت کو تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ اگر مستقیم انداز میں بیان حقیقت بزبان حقیقت ہوتا تو شاید اسے سمجھنا مشکل ہو جاتا اور مثنوی کو یہ مقبولیت حاصل نہ ہوتی۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران

مولانا جلال الدین رومی نے اپنے پیرو مرشد کے نام سے ایک دیوان غزلیات بھی لکھا ہے۔ جسے دیوان شمس کہا جاتا ہے اور شمس تبریزی کو بطور تخلص اور کہیں کہیں پیرو مرشد کے اسم و گرامی کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔

مولوی ھر گز نشد مولای روم
تاغلام شمس تبریزی نشد

(شعر ناب۔ غلام نظام الدین مرولوی۔ ص۔ 12، 13، 14)

Marfat.com

شئی یرجع الی اصلہ کے مصداق جس طرح قطرہ سمندر سے ذرہ آفتاب اور کونج ڈار سے ملنے کو بے چین رہتی ہے۔ (ھشت گفتار دربارہ مثنوی معنوی۔ ص۔ 9-10)

روح انسانی کے روح رحمانی سے اس ازلی و ابدی فراق اور اس دوری کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی نے خوب کہا ہے!

بند بگسل باش آزاد ای پسر
چند باشی بند سیم و بند زر

یعنی کب تک دولت و زر کی ہوس میں مبتلا رہیں گے اے بندہ گنہگار۔ اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو دل سے دولت و حال کی محبت نکال دو۔

ھر کرا جامہ زعشقی چاک شد
اوز حرص و غیب کلی پاک شد

اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ عشق خداوندی' تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کا بہترین ذریعہ ہے جو شخص خدا سے لو لگالیتا ہے اس کے دل میں اس قدر لطافت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ حرص کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

شادباش اے عشق خوش سودای ما
ای طبیب جملہ علت ھای ما

اس شعر میں مولانا جلال الدین رومی نے عشق حقیقی کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اور اسے اولاد آدم کے جملہ جسمانی و روحانی امراض کا معالج قرار دیا ہے۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

اس شعر میں مولانا جلال الدین رومی نے معراج محمدؐ' حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے اور حضر موسیٰؑ کی فرمائش پر تجلی حق کے نتیجہ میں کوہ طور کے کپکپانے کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ھشت گفتار دربارہ مثنوی و معنوی۔ ص۔ 12' 13' 14)

Marfat.com

مولانا جلال الدین رومی کی غیر فانی شہرت ان کی مثنوی کی وجہ سے ہے۔ مولانا سے پہلے اور بعد میں ہر دور کے شعراء نے مثنویاں لکھی ہیں لیکن جلال الدین رومی کی مثنوی اس قدر مشہور ہوئی کہ اگر شاعر کا نام لئے بغیر صرف لفظ مثنوی کیا جائے تو ذہن فوراً" مثنوی رومی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ مثنوی رومی میں فنی کمزوریاں بھی ہیں اور فصاحت و بلاغت کے بہترین نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔

من ندا نم فاعلاتن فاعلات
شعر گو یم بہ از قند و بنات

مثنوی کی عالمگیر مقبولیت کے اسباب میں اولاً اس کے اخلاقی و عارفانہ موضوعات اور دوسرے اس کا اسلوب بیان ہے۔ رومی نے قرآنی حقائق و معارف اور اخلاقی رموز و نکات معاشرے کے ساتھ پیش کرنے تھے۔ ان کے حلقہ خطاب میں ہر قسم کا انسان آتا ہے۔

رومی نے اپنے وسیع حلقہ خطاب کی رعایت ایک اور طریقے سے بھی کی ہے انہوں نے مثنوی میں حقیقت کو تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ اگر مستقیم انداز میں بیان حقیقت بزبان حقیقت ہوتا تو شاید اسے سمجھنا مشکل ہو جاتا اور مثنوی کو یہ مقبولیت حاصل نہ ہوتی۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران

مولانا جلال الدین رومی نے اپنے پیرو مرشد کے نام سے ایک دیوان غزلیات بھی لکھا ہے۔ جسے دیوان شمس کہا جاتا ہے اور شمس تبریزی کو بطور تخلص اور کہیں کہیں پیرو مرشد کے اسم و گرامی کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔

مولوی ھر گز نشد مولای روم
تاغلام شمس تبریزی نشد

(شعر ناب۔ غلام نظام الدین مرولوی۔ ص۔ 12، 13، 14)

Marfat.com

وہ عشق جو مصدر و مصود حیات ہے اور وجہ تکوین اور ارتقاء کائنات ہے جو تمام ہستی کی رگ میں جاری اور نبات و حیوان و انسان پر کسی نہ کسی رنگ میں کاری ہے۔ عقل جزئی و استدلالی اس کی شرح کرنے کی کوشش کرتی ہے تو اس کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے گدھا کسی دلدل میں پھنس جائے۔

ھرچہ گویم عشق را شرح و بیان
چون بعشق آیم جنجل باشم آزان
گرچہ تفسیر زبان دو شگران
لیک عشق بے زبان روشن تر است
چون قلم اندر نوشتن می شتافت
چون بعشق آمد قلم برخود شگافت
چون سخن در وصف این حالت رسید
ہم قلم بشکست وھم کاغذ درید
عقل در سرحش چو خر درگل بخفت
شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت
شمس در خارج اگرچہ نیست فرد
مثل او ہم می تو ان تصویر کرد
لیک آن شمسی کہ شد مشں اثیر
بنورش در ذہن و در خارج نظیر
در تصور ذات او رانگنج کو
تا در آید در تصور مثل او

اعتدال آرزو

انسان کے دل میں جتنی آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں وہ اپنے ماخذ میں انسانی جبلت کا نتیجہ ہیں۔ کوئی آرزو اپنی ماہیت کے لحاظ سے مطلقاً" قابل رد نہیں۔ مگر حیات انسانی میں خرابی اور انتشار اسی سے پیدا ہوتا ہے کہ ہر آرزو ھل من مزید میں مبتلا ہو جاتی

Marfat.com

ہے۔ کھانا پینا ہو یا جنسی لذت یا حب مال و جاہ' سب کا یہی حال ہے۔ نفس کے تقاضوں پر اگر تحدید نہ لگائی جائے تو نفس امارہ ہو جاتا ہے۔ بجائے محکوم رہنے کے وہ انسان پر مطلق العنان حکمرانی کرنے لگتا ہے:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

انسان کا ظرف اور اس کی قوتیں محدود ہیں۔ ایک حد تک تو آرزو جائز ہے جس سے ایک انسان کو نفع پہنچتا ہے اور دوسروں کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ لیکن نفس پر آرزوؤں کو لادتے چلے جاؤ تو نہ وہ پوری ہو سکتی ہیں اور نہ ان سے کچھ مسرت و سعادت حاصل ہوتی ہے:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کی جسمانی ہستی ایک پرکاہ کے برابر ہے لیکن آرزوؤں کا پہاڑ اپنے اوپر لاد لیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قدرت الٰہی کو دیکھو کہ ہر جگہ تناسب اور اندازے سے عمل کرتی ہے۔ سورج کو زمین سے اتنے فاصلے پر رکھا ہے کہ کرہ ارض میں ہر جاندار ہستی اس کی حرارت سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ (تشبیہات رومی۔ 14-17)

چادر خود رابرو آگفند رود
مردر ازن کرد و در را برکشود
زیر چادر مرد سواد عیاں
سخت بیدا چون شتر برنردیان
از تعجب ہ صوفی چست این
ہرگز این رامن ندیدم کیست این

ایک اور جگہ عشق سے متعلق مولانا رومی فرماتے ہیں!

جملہ معشوق است و عاشق پردہ
زندہ معشوق است و عاشق مردہ

Marfat.com

چون بناشد عشق را پروای او
اوچو مرغی ماند بی پروای او

جلال الدین رومی بلخی کا خیال ہے کہ محبوب سب کچھ ہے جبکہ اس کے برعکس عاشق ایک پردہ ہے کیوں کہ اسے قرب محبوب حاصل ہے جو ناقصوں کی طرح دیوار کی طرح حائل ہے۔ محبوب ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور عاشق زندگی میں بھی مردہ ہے۔ علاوہ ازیں اگر عشق کو عاشق کی پروانہ ہو تو اس بیچارے پر افسوس ہے۔

مندرجہ بالا اشعار کا منظوم اردو ترجمہ حضرت عبداللہ خاں نے اپنی کتاب مثنوی مولانا روم حصہ اول۔ ص۔ 15_16_ تک اس طرح کیا ہے۔ کتاب مذکور دارالکتب نادرہ میکلوڈ روڈ لاہور پاکستان نے کافی عرصہ قبل شائع کی تھی جو کہ آج کل ناپید ہے۔

مثنوی مولانا جلال الدین رومی کے متعلق کہا گیا ہے کہ ہست قرآن در زبان پہلوی' اس میں کوئی شک نہیں کہ مثنوی میں قرآنی معارف کی گہری تفسیر ملتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن مولانا رومی نے اس مضمون کو ان اشعار میں ادا کیا ہے!

قرآن رامدان کہ ظاہر است
زہد ظاہر باطنی ہم قاھر است
زیر آن باطن یکی بطن دگر
خیرہ گرد اندر و فکر و نظر

صحیفہ فطرت کا بھی یہی حال ہے کہ اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے اپنی کتاب (حکمت رومی) میں لکھا ہے کہ!

بحیثیت تفسیر قرآن مثنوی معنوی کو قرآن کریم سے کئی حیثیتوں سے مماثلت حاصل ہے اور یہ بھی ایک وجہ مماثلت ہے کہ تمام فرقے مثنوی سے سند حاصل کر کے اپنے عقائد کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ذات الٰہی ذات واحد ہے جس کی وحدت لا متناہی کثرت میں مظہر ہونے کے باوجود منتشر نہیں ہوتی!

ای کردہ بہ آرائش گفتار بیچ

Marfat.com

در راہ سخن کشودہ زلف خم و پیچ
عالم کہ تو چیز دیگری می دانی
ذاتی است بسیط منبسط دیگر ہیچ

اول و آخر بھی وہی ہے اور ظاہر و باطن بھی وہی۔ روح انسانی اور روح مطلق یعنی خلاق عالم کا تعلق صانع و مصنوعی کا تعلق نہیں ہے۔ انسانی ہستی کا وہ پہلو جو عالم خلق سے تعلق رکھتا ہے اس کے لحاظ سے انسان مخلوق ہے اس کی زندگی کے افعال و مظاہر و حوادث سب مخلوق ہیں جن کا خالق بالواسطہ یا بلا واسطہ خدائے اخلاق ہے۔ روح انسانی کی مظاہری حیثیت کو برطرف کر کے مولانا اس کی حقیقت کو قدیم مانتے ہیں۔ خدا روح الارواح ہے۔ (حکمت رومی۔ خلیفہ عبدالحکیم۔ ص۔ 9، 10، 11)

روح انسانی میں جو اپنی اصل سے جدائی کا احساس ہے اس کو مولانا رومی ایک عام اصول حیات کے تحت لا کر اس کے توجیہ کرتے ہیں۔ ہر چیز میں یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی اصل کی طرف جاتی ہے اور میلان رکھتی ہے۔ بعض لوگوں کو ضرورت روزگار یا حوادث ایام اسی بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر کہیں دیار غیر میں چلے جائیں وہاں ان کو اگر کوئی مصیبت آ جائے تو انہیں اپنا گھر بار یاد آتا ہے۔

من از دیار جیبم نہ از بلاد رقیب

روح کی مراجعت الی الوطن کے متعلق مولانا رومی دیوان شمس تبریز کی ایک غزل میں فرماتے ہیں۔

مافلک بودہ ام یار ملک بودہ ام
باز ھمانجا رویم، خواجہ کہ آن شہر ماست

اپنے اس اصل اور روحانی وطن کا احساس انسان کو ہر حالت میں نہیں ہوتا بلکہ غم یا خوشی کے موقع پر وہ مادر وطن کو ضرور یاد کرتے ہیں۔ اگر روح کو اپنی غریب الوطنی کا احساس گاہے گاہے ہوتا ہے تو وہ اپنے احساس واضح تعبیر بھی نہیں کر سکتی ہے۔ یہ احساس مختلف ذرائع سے ابھرتا اور بیدار ہوتا ہے۔ اس کا ایک ذریعہ سماع بھی ہے۔ سماع کے جائز اور ناجائز مستحب یا مباح ہونے پر اکابرین صوفیہ کا اختلاف ہے۔ اس کے

Marfat.com

برعکس مولانا رومی سماع کے حامی ہے۔ مولانا رومی کی خانقاہ میں سماع بھی ہوتا تھا اور والہانہ رقص بھی اور اس کا سامان ابھی تک ان کی خانقاہ میں موجود ہے۔ اس فغان روح کا راز کیا ہے؟ دنیا میں عام حالتوں میں جس محبوب شخص کی مجبوری فغان پیدا کرتی ہے وہ محبوب اس فغان سے دور ہوتا ہے لیکن مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ نالہ روح کی عجیب کیفیت ہے اس کا راز خود اسی کے اندر دمساز ہے۔ مگر یہ نغمہ چونکہ ظاہری کانوں کے لئے نہیں ہے اس لئے نالہ کرنے والے اور نالہ سننے والے کے کان اس سے آشنا نہیں ہوتے' اور نہ ظاہری آنکھ پر یہ راز افشاء ہوتا ہے۔ (حکمت رومی۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ ص۔ 18' 19' 20)

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم آگے چل کر لکھتے ہیں کہ روح کی قدامت کے متعلق مولانا رومی نے بے شمار اشعار لکھے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ روح کا قالب کے بعد اس میں داخل ہونا یا قالب کا نتیجہ ہونا غلط ہے بلکہ عالم بھی روح پر مقدم نہیں ہو سکتا کیوں کہ چیزوں اور ان کے اوصاف کا وجود ادراک قلب کے ساتھ وابستہ ہے۔

قالب از ماهست شدنی ما ازو
باده از ماست شد نی ماازو
لطف شیر و انگبین عکس دلست
هر خوشی را آن خوش از دل حاصلست
پس بود دل جوهر و عالم عرض
سایه دل چون بود دل را غرض

روح انسانی کی اصل چونکہ خدا ہے اس لئے اس میں الٰہی صفات بے حد توفیق اور بقدر فیض پائے جاتے ہیں۔ عالم میں خدا اس لئے نہیں سما سکتا کہ عالم اعراض کا مجموعہ ہے اور خود جوہر نہیں یعنی خود بالذات اس کا وجود نہیں' عرش ہو یا فرش سب مکانی ہیں۔ (حکمت رومی۔ ص۔ 28)

عشق اور معرفت کا باہمی تعلق سبب اور اثر کا تعلق ہے لیکن دونوں ایک دوسرے کے سبب بھی ہیں اور اثر بھی۔ علم اور عشق کے ادنیٰ مدارج میں بھی یہ قاعدہ

Marfat.com

جاری ہے۔ جس شخص کو زر کا عشق ہو گا اس کی معرفت حصول زر کے متعلق دوسروں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو گی۔

شاعر کہتا ہے!

سوداگری نہیں' یہ عبادت خدا کی ہے
اور بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

عاشق الٰہی محض جذبہ عشق میں مسرور اور تاثر لاانتہائی میں گم نہیں ہو جاتا بلکہ جوں جوں اس کا عشق ترقی کرتا ہے اس پر اسرار وجود فاش ہوتے ہیں۔ (حکمت رومی۔ ص۔ 55)

از محبت نیش نوشی می شود
وز محبت شیر موشی می شود

محبت کی وجہ سے بڑے بڑے قہرمان رحیم بن جاتے ہیں اور دوسروں کا قہر بھی ان کو رحمت دکھائی دیتا ہے۔

از محبت سقم محبت می شود
وز محبت قہر رحمت می شود
از محبت خار سوسن می شود
وز محبت خانہ روشن می سود

جس گھر میں محبت نہیں اس گھر میں اندھیرا ہے خواہ اس میں ہزار بجلی کے چراغ روشن ہوں اور جس گھر میں محبت ہے وہ بے چراغ بھی روشن ہے۔

از محبت مردہ زندہ می شود
وز محبت شاہ بندہ می شود
این محبت ہم نتیجہ دانش است
کی گزافہ بر چنیں تخت نشست

Marfat.com

اس لئے مولانا کا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ محبت کے اعلیٰ اور انسانی مدارج دانش ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

دانش ناقص نداند فرق را
لا جرم خورشید داند برق را

مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ناقص العقل اور جاہل کو ملعون قرار دیا اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نقصان عقل کس قدر موجب لعنت ہے۔ کسی کے بدن میں کوئی نقص ہو' اندھا ہو' لنگڑا ہو' اس پر نہ کوئی لعنت کرتا ہے اور نہ کسی قسم کی سختی بلکہ اس کو قابل رحم قرار دیتا ہے۔ (حکمت رومی۔ ص۔ 65)

منظوم ترجمہ بزبان اردو اشعار مندرجہ بالا

بانسری سے سن کہ کیسی کہہ رہی ہے داستان
اور اپنی فرقتوں سے کر رہی ہے کیا بیان؟
جس گھڑی سے کاٹ لائے ہیں نیستاں سے مجھے
رو رہے ہیں مرد و عورت سب مری فریاد سے
چاہتی ہوں سامعین کا سینہ پارہ از فراق!
تب کروں تقریر بابت شرح درد اشتیاق
دور ہووے شخص جو اپنے مقام واصل سے
ڈھونڈھتا ہے پھر دوبارہ وقت اپنے وصل کے
روبروئے ہر جماعت میں گئی نالہ کناں
نرونیکاں اور بدکاراں کری جا کر فغاں
یار میرے بن گئے اپنے گماں سے بس سبھی
کچھ نہ پائے لیک میرے رازہائے باطنی!
بھید میرا آہ سے میرے نہیں کچھ دور ہے

Marfat.com

لیک چشم و گوش میں ایسا کہاں کا نور ہے
جان سے تن، جان تن سے کب بھلا مستور ہے
کب کسی کا جان اپنی دیکھنا دستور ہے
بانگ نے کی آگ ہے مت جانئے اس کو ہوا
جس میں یہ آتش نہیں برباد ہو رہے برسات
اندرون نی لگی ہے آگ، سارا عشق ہے
جوش نی میں جس قدر ہے اس کا مبدا عشق ہے
بانسری ہے یار اس کی، یار سے جو ہو جدا
پھٹ گیا ہے آہ نے سے اب کلیجہ بھی مرا
بانسری سا کس نے دیکھا زہر بھی، تریاق بھی
کس نے دیکھا بانسری سا ہمدم و مشتاق بھی
بانسری ہے سب بیان راہ پر خوں کر رہی
داستان عشق لیلےٰ اور مجنوں کر رہی!
اس قسم کے ہوش کا محرم سوا نادان نہیں
مشتری جیسے زبان کا ماسوائے کان نہیں
بانسری کی آہ میں ہوتا نہ گر کچھ بھی ثمر
بانسری دنیا کو کرتی کس طرح سے پرشکر
حیف اپنے غم میں ہم نے وقت سارا کھو دیا
رنج و غم میں وقت بھی برباد سارا کر لیا
گر زمانہ کھو گیا ہے کچھ بھی اس کا ڈر نہیں
تو سلامت رہ کہ تجھ سے پاک تر دیگر نہیں
ہے جو جز ماہی وہ اس کے آبجو سے سیر ہے
مرد ناقص ہے جو اس کے وصل میں بھی دیر ہے
بے خبر ہیں نیک حالوں سے یہ سارے شخص خام
ختم اس جا بات کیجئے اور کہئے .السلام

Marfat.com

بند سارے توڑ دے آزاد بن جا اے پسر
کب تلک آخر رہے گا تو حریص سیم و زر
ایک کوزہ میں کرے گا بحر کیسے بند تو
بخت و قسمت کو سمیٹے گا مگر تاچند تو
طامعوں کی حرص کا کوزہ نہ ہو گا پر کبھی
بے قناعت سیپ ہو سکتی نہیں پر در کبھی
پس بدست عشق جس کی پوشش تن چاک ہو
عیب و لالچ سے وہ طالب کلیتہ" ہی پاک ہو
شاد رہ تو عشق خوش سوط مرے
اے طبیب عیب ہا و جملہ حلت ہا مرے
عشق تو میری دوائے نخوت و ناموس ہے
تو مرا اے عشق افلاطون و جالینوس ہے!
عشق ہی سے جسم خاکی آسمانوں پر گیا
طور آیا ناچ پر' یوں ہو گیا چالاک تھا
عشق ہی نے طور کو کی جان مرحمت عاشقا
طور بھی بیخود ہوا' بیہوش موسیٰ بھی ہوا
بزم میں دمساز ہوتے گر ہمارے روبرو
بانسری کے طور ہم ان کو سناتے گفتگو
ہو گیا میری طرح سے ہمزباں سے جو جدا
آخرش ہے بے نوا گر لاکھ رکھتا ہوا نوا
موسم گل ختم ہو جب بوستاں بھی جا چکے
بعد اس کے بلبلوں کے کب سنے تو چہچہے!
درمیان زیر و بم ہیں راز مخفی بس نہاں
کھول دوں گر بھید پھر برباد ہو سارا جہاں
صدر کے ابواب میں جو کہہ رہی ہے بنسری

Marfat.com

گر بتاؤں کھول کر میں ہو جہاں میں ابتری
جملگی معشوق ہے عشاق ہیں پردہ صرف
ہست بس معشوق ہے عشاق ہیں مردہ صرف
جب نہ ہووے عشق کو پرواہ اس نادان کی
مثل ہے اس کی پرند بے پرد بے جان کی!

(کتاب مثنوی مولانا روم حصہ اول- ص- 15-16)

مولانا جلال الدین رومی نے امتحان عاشق اور عاشق کا عذر خطا خواہی از تبلیس کے بارے میں لکھا ہے کہ!

گفت عاشق امتحان کردم بگر
تابہ بیینم تو حریفی یا ستیر
میں ممی دانستمت بی امتحان
لیک باشد کی خبر ہچو عیان
آفتابی نام تو مشہور وفاش
چہ زیانست از بکروم ابتلاش
تو منی من خوایشتن را امتحان
می کنم ہر روز در سود و زیان
انبیاء را امتحان کردہ عدات
تا شدہ ظاہر از ایشان معجزات
امتحان چشم خود کردم بہ نور
ایکہ چشم بدز چشمان تو دور

مولانا جلال الدین رومی کے مطابق کہ ایک عاشق نے کہا کہ معاف کریں تو آزما رہا تھا کہ پتہ چل جائے کہ تم یار مجلس ہو یا پردہ نشین ہو جبکہ اس کے برعکس میں مشاہدہ کے بغیر اور امتحان کے بغیر بھی آپ کو جانتا تھا- تم تو سورج ہو اور تیرا نام روشن ہے لیکن سورج کو آزمانے میں کیا حرج ہے- تم میں ہوں اور میں نے اپنا امتحان لے

Marfat.com

لیا جبکہ اس قسم کا نفع و نقصان میں روز کرتا ہوں۔ دشمنوں نے انبیاء کا امتحان لے لیا ہے حتیٰ کہ ان سے معجزے بھی ظاہر ہوئے۔

اور میں نے روشنی کے ذریعے اپنی آنکھ کا امتحان لیا بہرحال تیری آنکھوں کو نظر بد نہ لگ جائے۔

آگے جا کر مولانا جلال الدین رومی لکھتے ہیں!

این جہان ھم چو خراب است و تو گنج
گر تفس کردم از گنج تو مرنج
زان چنان بے خردگی کردم گزاف
تا زنم باد شمنان ہر بار لاف
تا ز بانم چون ترا نامی نہد
چشم ازین دیدہ گواہی ھا دھد
گر شدم در راہ صرحت راہزن
آمدم اے مہ بشمشیر و کفن

غرض یہ کہ مولانا جلال الدین رومی نے لکھا ہے کہ دنیا کھنڈر کی طرح ہے اور تم خزانہ ہو اور اگر میں آپ کے خزانے سے کچھ حاصل کروں تو برائے مہربانی پریشان مت ہو کیوں کہ میں چاہتا ہوں میری زبان تیرا نام لے اور آنکھ گواہی دے۔

علاوہ ازیں مولانا جلال الدین رومی نے پرہیز گاری اور تقویٰ کے بھی نصیحت افروز اشعار کہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں!

شہوت دنیا مثال گل فن است
کہ از و حمام تقویٰ روشن است
لیک قسم منقی زین تو صفات است
زانکہ در گر مابہ است و در نقاست

اغنیاء مانندہ سرگیں کشاں

Marfat.com

بهر آتش کردن گرمابہ داں
اندر ایشاں حرص بنهادہ خدا
تابود گرمابہ گرم و بانوا
ترک ایں توں گیرو در گرمابہ راں
ترک توں راعین آں گرمابہ داں
ہر کہ درتون ست اوچوں خادم ست
مردرا کہ صابرست و حازم ست
ہر کہ در حمام شد سیمائے او
ہست پیدا برزخ زیبائے او
تونیاں را نیز سیما آشکار
از لباس و از دخان واز غبار
ورنہ بنی روش بویش راگیر
بو عصا آمد برائے ہر ضریر
گرنداری بودر آرش در سخن
از حدیث نو بداں راز کہن
پس بگوید تونی صاحب ذہب
پست سلہ چرک بردم تا شب
حرص توچوں آتش ست اندر جہاں
باز کردہ ہر زبانہ صدوہاں
پیش عقل ایں زر چو سرگیں ناخوش ست
گرچہ چوں سرگیں فروغ آتش ست
آفتابے کہ دم از آتش زند
چرک تر را لائق آتش کند
آفتاب آں سنگ راہم کردزر
تابتون حرص آفتد صد شرر

Marfat.com

آنکہ گوید مال گرد آوردہ ام
چیست یعنی چرک چندیں بردہ ام
ایں سخن گرچہ کہ رسوائی فزاست
درمیان تونیاں زیں فخرہاست
کہ توشش سلہ کشیدی تا.شب
من کشیدم بست سلہ بے کرب
آنکہ درتوں زاد و پاکی راندید
بوئے مشک آرد برورنجے پدید
گربتوں انباز خواہی بودتو
زیں زیاں ہرگز نہ بینی سود تو

ترجمہ : مالداروں کو اپلے لانے والوں کی طرح' حمام کو گرمانے کے لئے سمجھ' اللہ (تعالیٰ) نے ان میں حرص رکھ دی ہے' تاکہ حمام گرم اور پررونق ہو' اس بھٹی کو چھوڑ اور حمام میں جا' بھٹی کو چھوڑنا' بعینہ حمام سمجھ' جو بھٹی میں ہے وہ خادم جیسا ہے' اس شخص کے لئے جو صابر اور محتاط ہے' جو شخص حمام میں چلا گیا' اس کی علامت' اس کے حسین چہرے پر ظاہر ہے' بھٹی والوں کی علامت بھی ظاہر ہے' کپڑوں اور دھوئیں اور غبار سے' اگر تو اس کا چہرہ نہیں دیکھتا ہے اس کی بو لے لے' بو' ہر اندھے کی لاٹھی ہے' اگر تجھے سونگھنا نہیں آتا' اس سے بات کرا' نئی بات سے پرانا راز سمجھ لے' سونے کا مالک' بھٹی والا کہتا ہے' میں رات تک گوبر کے بیس ٹوکرے (گھر) لے گیا ہوں' دنیا میں' تیری حرص آگ کی طرح ہے' ہر شعلہ نے سو منہ پھیلا رکھے ہیں' عقل کے نزدیک یہ سونا گوبر کی طرح برا ہے' اگرچہ وہ گوبر کی طرح آگ کی چمک والا ہے' سورج جو آگ کا دم بھرتا ہے' تر گوبر کو آگ کے قابل بناتا ہے' سورج نے پتھر کو بھی سونا بنایا

Marfat.com

ہے' تاکہ لالچ کی بھٹی میں سو چنگاریاں پیدا ہوں' جو یہ کہتا ہے
کہ میں نے مال جمع کیا ہے' کیا ہے؟ یعنی اتنا گوبر حاصل کیا ہے'
یہ بات اگرچہ رسوائی میں اضافہ کرنے والی ہے' بھٹی والوں میں
اس پر بڑا فخر کیا جاتا ہے' کہ تو نے رات تک چھ ٹوکرے حاصل
کئے' میں نے آسانی سے بیس ٹوکرے کمائے' جو بھٹی میں پیدا ہوا
اور اس نے پاکی نہیں دیکھی' مشک کی خوشبو اس میں مرض پیدا
کر دے گی' اگر تو بھٹی کا شریک بنے گا' اس نقصان کی بجائے تو
کبھی نفع نہ حاصل کرے گا۔

مولانا جلال الدین رومی نے لکھا ہے کہ نیک لوگ اس دنیا کے حمام سے صاف ستھرا نکلتے ہیں اگر دنیا داروں کی دولت نہ ہوتی تو یہ بھٹی گرم نہ ہوتی' لہٰذا صحیح اور راسخ العقیدہ مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ بھٹی کا رخ نہ کریں بلکہ حمام میں جا کر اپنے آپ کو صاف کریں۔

Marfat.com

ساتواں باب

رومی اور جبر و قدر کی حقیقت

جبریہ سے تعلق رکھنے والے اصحاب کا خیال ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور مطلقاً" عدیم الاختیار یہی وہ تصور ہے جس نے غلط قسم کے توکل کو جنم دیا۔ بہرحال بندہ مطلقاً" عدیم الاختیار نہیں چنانچہ یوں کہنا چاہئے کہ بندہ کو اختیار تو ہے لیکن وہ اپنے فعل میں خود مؤثر نہیں بلکہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس سلسلے میں مولانا جلال الدین رومی کے اشعار کی شرح یوں ہے!

بندہ کا ہاتھ ہو یا زبان مؤثر اسی صورت میں ہے جبکہ مشیت ایزدی اس میں شامل ہو۔ قرآن پاک سے وہ آیت پڑھو جس میں ارشاد ہوا ہے کہ (اے پیغمبر) وہ کنکریاں تم نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ پس ہم اگر تیر چلاتے ہیں تو وہ ہماری طرف سے نہیں ہوتا بلکہ ہماری حیثیت کمان کی ہے اور تیر انداز خود حق تعالیٰ ہوتا ہے پھر اسے جبر کیوں کہتے ہو یہ جبر نہیں بلکہ اس سے مقصود شان صابری کے معنی سمجھانا ہے اور ذکر جباری اس لئے لازم ہے کہ بندہ کو اپنی عاجزی کا احساس ہمیشہ ہو۔ (گفتہ رومی۔ پروفیسر عبدالمجید یزدانی۔ ص۔ 14، 15، 16)

اب ہم رومی کے اشعار میں توکل کی اہمیت پر بحث کریں گے۔ پروفیسر عبدالمجید یزدانی کے مطابق توکل سچے مومن کی خاص نشانی ہے بشرطیکہ اس حقیقی معنی کو پیش نظر رکھیں۔ لیکن یہی وہ لفظ ہے جس کو غلط معنی پہنانے کے باعث فرقہ جبریہ وجود میں آیا۔ ہاں یہ درست ہے کہ توکل اچھی صفت ہے بلکہ سنت رسولؐ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ توکل رہبر حقیقت ہو نہ کہ رہزن حقیقت۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل یہ تھا کہ پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھا جائے پھر توکل کیا جائے۔ (گفتہ رومی۔ پروفیسر عبدالمجید یزدانی۔ ص۔ 22)

Marfat.com

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے!

مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح انسان کے جسم کے اندر کوئی باریک کانٹا چبھ کر زیر جلد چھپ جاتا ہے اور اس کا نکالنا دشوار ہو جاتا ہے' اسی طرح انسان کی نفسی زندگی میں بعض ناقابل اظہار آرزوؤں کے باریک کانٹے دل کے اندر چبھ کر چھپ جاتے ہیں۔ جس کے نفس میں یہ کانٹے چبھے ہیں اس میں بے حد خلش اور بے چینی پیدا کرتے ہیں لیکن خود مظلوم کی نظر سے اوجھل ہوتے ہیں کیونکہ تحت الشعور میں گھس گئے ہیں اور شعور کی دسترس سے باہر ہو گئے ہیں۔ جب تک کوئی طبیب نفسی سوزن تحقیق سے ان کو نہ نکالے وہ برابر تکلیف دیتے رہتے ہیں۔ انسان اضطراب میں جتنے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اتنا ہی مرض میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ بعض لڑکے شرارت سے گدھے کو پکڑ کر اس کی دم کے نیچے کچھ کانٹے اٹکا دیتے ہیں۔ گدھا بے تاب ہو کر اچھلنے کودنے اور لوٹنے لگتا ہے تاکہ اس نامعلوم آفت سے نجات پائے۔ لیکن ان بے تابانہ حرکتوں سے کانٹے اس کی جلد میں اور زیادہ گڑتے جاتے ہیں۔ انسان کی جب ایسی کیفیت ہو اور کچھ کانٹے دل کے اندر چبھ گئے ہوں جن کا خود اس کو شعوری طور پر علم نہ ہو تو اس کا علاج کوئی طبیب نفس ہی کر سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار مولانا نے ایک کنیز کے قصے میں لکھے ہیں جو ایک بادشاہ کو بہت محبوب تھی لیکن کسی ایسے مرض میں مبتلا ہوئی کہ محض جسمانی عوارض کے اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ آخرکار ایک طبیب نفسی نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر بہت حکمت عملی سے اس کی پہلی زندگی کے حالات دریافت کرنے شروع کر دیئے اور ہر جواب پر نبض کی حرکت کے تغیر پر غور کرتا گیا اور آخرکار دریافت کر لیا کہ کیا بات اس کو اندر سے ستا رہی ہے۔ اسی تحقیق سے اس کا علاج آسان ہو گیا۔ دل کے اندر چبھے اور چھپے ہوئے کانٹے اگر نکل جائیں تو انسان غم و اضطراب کا شکار نہ ہو:

نرم نرمک گفت شہر تو کجاست
کہ علاج اہل ہر شہرے جد است
و اندر آن شہر از قرابت کیست
خویشی و پیوستگی ما چیست

Marfat.com

دست بر بنفش نہاد و یک بیک
بازی پر سید از جور فلک
چون کے را خار در پائش خلد
پائے خود را برسر زانو نہد
و ز سر سوزی ہمی جوید سرش
در نیا بد می کند بالب ترش
خار در پا شد چنین دشوار یاب
خار در دل چوں بود وا دہ جواب
خار دل را گر بدیدے ہر خسے
کے غمان را دست لودے ہر کسے
کس بزیردم خر خارے نہد
خرنند اند دفع او' برمی جہد
خرز بہر دفع خار از سوز و درد
جفتہ می انداخت صد جا زخم کرد
آن لکد کے دفع خار او کند
حاذقے باید کہ بر مرکز تند
بر جہد و ان خار محکم تر کند
عاقلے باید کہ خارے برکند

(تشبیہات رومی- ص- 18-19)

عظمت خداوندی اور صفات خداوندی سے متعلق مولانا رومی لکھتے ہیں!

ازپی آن گفت حق خود رابصیر
کہ بود دید ودیت ہر دم نذیر
ازپی آن گفت حق خود اسمیع
نہ بہ بندی لب زگفتار شنیع

Marfat.com

ازپی آن گفت حق خود را علیم
تانیندیشی فساد تو زبیم
نیست انھا بر خدا اسم علم
کہ سیہ کافور دارد نام ھم

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو بصیر اس لئے فرمایا ہے تاکہ اس کا تجھے دیکھنا ہر وقت نذیر ہے اور اپنے آپ کو سننے والا اس لئے فرمایا ہے تاکہ تم بری گفتگو سے زبان بند کریں اور جاننے والا اس لئے فرمایا ہے تاکہ تم ان کی خوف سے بری باتوں سے پرہیز کریں۔ اور آگے جا کر فرماتے ہیں کہ یہ نام شناخت ذات خداوندی کے لئے نہیں ہیں کیوں کہ حبشی کا نام کافور بھی ہوتا ہے۔

ذات خداوندی کی بڑائی بیان کرتے ہوئے معروف شاعر امیر خسرو نے اپنی دیوان میں اس بڑائی و کبریائی کو یوں بیان کیا ہے!

صدر ہزاران آفرین جان آفریں پاک را
کافریداز آب و گل سردی چو تو چالاک را
چون ترا بینم ہم از چشم حودم ذرشک ازانک
کرد ترد امن رخت این چشم ھای پاک را

Marfat.com

صورت و معنی

مثنوی اور معنوی مولانا جلال الدین رومی میں یہ موضوع خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ صورت اور معنی کا باہمی رابطہ ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کے مطابق کہ مثنوی میں مجادلہ اور مناظرہ بھی ہے اور مواعظہ بھی اس لئے اس کے اشعار سے اہل مناظرہ بھی استناد کرتے ہیں اور واعظ بھی منبر آرائی کرتا ہے۔ قرآن کریم سے متعلق مولانا کا راسخ العقیدہ ہے کہ اس کے ظاہر کے اندر کئی بواطن میں اور جو شخص ظاہر پر قناعت کر لیتا ہے اس پر روحانی ترقی کا راستہ بند ہو جاتا ہے!

حرف قرآن رامدان کہ ظاہر است
زیر ظاہر باطنی ہم قاہر است
زیر آن باطن یکی باطن دیگر
خیرہ گرد اندر و فکر و نظر
ہم چنین تاہفت بطن ای ذوالکریم
می شمرد تو این حدیث معتصم

لیکن جس طرح کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اسی طرح ہر باطن کا ایک ظاہر بھی ہوتا ہے اس لئے عالم خلق میں صورت سے گریز نہیں۔ عبادت ایک معنوی چیز ہے لیکن ضروری ہے کہ افعال و اعمال ظاہری میں بھی اس کا اظہار ہو۔

من ز قرآن برگزیدم مغز را
استخوان پیش سگان انداختیم
جبہ و دستار و علم و قیل و قال
جملہ در آب روان انداختیم

Marfat.com

ادنیٰ ذہنیت کے لوگ آیات و روایات کے حافظ تو بن جاتے ہیں لیکن چونکہ قشر خور اور استخوان پسند ہیں اس لئے جسمانیت سے اوپر پرواز نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگوں کو محسوسات سے معقولات کی طرف بڑھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ (حکمت رومی۔ ص۔ 172-170)

جو لوگ جنت کو بھی دنیا کی طرح کا گلستان و انگورستان سمجھتے ہیں اور اسی توقع سے عبادت و ریاضت کرتے ہیں ان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ روح کا اصلی میلان تو حکمت اور علم کی طرف ہے۔ جسمانی خواہشات عاقبت میں باغ و کاخ اور ملف زار فراخ میں اپنے آپ کو بدرجہ اتم بے غل و غش پورا کرنا چاہتی ہے' ان خواہشوں کا پورا ہونا روح کے لئے نہ باعث ترقی ہے اور نہ موجب شرف۔

میل جان در حکمت است و در علوم
میل تن در باغ و راغ است و کروم
میل جان اندر ترقی و شرف
میل تن در کسب اسباب و علف

روح کا ارتقاء کثافت سے لطافت کی طرف ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تمام موجودات کا ارتقاء کثافت سے لطافت کی طرف ہے۔ مادہ جب منظم ہو جاتا ہے اور اس سے سیارگان کے نظام فلکی ظہور میں آتے ہیں تو نظم و آئین کی یہ ترقی حقیقت سے لطافت کی ترقی ہے۔ نباتات خالی جمادات کے مقابلے زیادہ لطیف میں جس کی وجہ سے برگ درختان سبز میں معرفت کردگار کی جھلک نظر آتی ہے۔ جمال ایک غیر مادی اور لطیف شے ہے جو شجر و ثمر و گلہائے رنگا رنگ میں متجلی ہوتا ہے۔

صورت ازلی صورت آید در وجود
ہم چنان کز آتش زاہست دود

صورت پرست صورت کو اس لئے چمٹے ہوئے ہیں کہ صورت ظاہر ہوتی ہے مگر جس سے وہ پیدا ہوتی ہے وہ معنی مخفی ہوتے ہیں اڑتے ہوئے غبار میں' خاک دکھائی

Marfat.com

دیتی ہے لیکن ہوا جو خاک کو اڑا رہی ہے وہ نظر نہیں آتی۔

مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کہ از مردن کم شوم
قطرہ علم است اندر جان من
وارھانش ازھوا وزخاک تن

(حکمت رومی۔ ص۔ 177)

Marfat.com

حقیقت، وحدت اور کثرت

مولانا جلال الدین رومی نے حقیقت وحدت اور کثرت پر بھی اظہار خیال کیا ہے جبکہ اس سلسلے میں ان کے اشعار ہمارے پاس موجود ہیں۔ اپنی کتاب فیہ مافیہ (ترجمہ۔ عبدالرشید تبسم) میں فریدالدین نے اس موضوع پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

زین سبب درخواست حق از مصطفیٰ
اشتہار از شت و حق را حق نما
اگر آشیا ھمین بودی کہ پیدا ست
کلام مصطفیٰ کی آمدی راست
کہ باحق سرور دین گفت الٰہی
بمن بنمائی آشیارا کماہی
(فریدالدین عطار نیشاپوری)

در دل ہر امتی کز حق مزہ است
وحی و آواز پیمبر معجزہ است
چون پیمبر ازبروں بانگ زند
جان امت در دروں سجدہ کند
موجب ایمان بناشد معجزات
بوی جنس است کند دل برون است
معجزات از زبر قہر دشمن است

Marfat.com

بوی جنسیت سوی دل بردن است
قہر گرد و دشمن اما دوست نی
دوست کی گرد دستہ گردنی

ایک بادشاہ نے ایک شخص کو از راہ عنایت سونا مرحمت فرمائے لشکر اس پر ناحق برہم ہوا کہ اس شخص کی یوں خاص حوصلہ افزائی کیوں کی گئی۔ بادشاہ نے اپنے آپ سے کہا وہ دن آنے والا ہے جب میں تمہیں دکھا دوں گا کہ تم جان لو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ چنانچہ جب لڑائی کا دن آیا یہ سب لوگ بھاگ گئے اور وہ شخص اکیلا لڑا' بادشاہ نے کہا میری وہ عنایت اس مصلحت سے تھی۔

انسان خدا کا اصطرلاب ہے اور نجومی کو چاہئے جو اصطرلاب کو جانتا ہو۔ (ملفوظات رومی۔ ترجمہ۔ فیہ مافیہ۔ ص۔ 26' 32)

مرزا غالب نے خوب کہا ہے کہ!

ہر چند سبک درست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

(مرزا غالب)

ہم نے کہا کون آزردہ ہوا جسے تم دیکھتے ہو کہتا تھا میں خدا کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ مولانا رومی نے فرمایا کہ اس زمانے میں خداوند تعالیٰ کو حقیقت میں نہیں دیکھ سکتے کیوں کہ جو شخص یہ خواہش رکھتا ہے' میں خدا کو دیکھوں وہ خدا کا نقاب ہے اس گھڑی وہ خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح خلق خدا انواع و اقسام کی چیزوں' باپ' ماں' بھائیوں' دوستوں اور مشروبات سے ازروئے حق' مہرو محبت اور شفقت رکھتی ہے' یہ تمام چیزیں نقاب ہیں۔ جب وہ اس دنیا سے گزر جائیں گے اور اس بادشاہ حقیقی کو بے نقاب مشاہدہ کریں گے تو انہیں سمجھ آ جائے گی کہ وہ سب چیزیں نقاب اور پردے تھیں۔ ان کا مطلب دراصل ایک چیز تھی۔ تمام مشکلات حل ہو جائیں گی۔ وہ سوال

Marfat.com

اور مشکلات جو ان کے دل اور ذہن میں تھیں ان سب کا وہ جواب سن لیں گے اور سب کچھ عیاں ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ نے یہ نقاب اس مصلحت کے تحت پیدا کئے ہیں کہ اگر وہ اپنا جمال بے پردہ ہو کر دکھائے تو ہم اس کی تاب نہ لا سکتے اور اس سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے اور ان پردوں سے ہمیں مدد ملتی ہے۔ عقل پروانہ کی طرح ہے اور معشوق شمع کی طرح ہے۔ ہرچند کہ پروانہ جب اپنے آپ کو شمع پر گراتا ہے تو جل جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے لیکن پروانہ وہی ہے۔ (ملفوظات رومی۔ ص۔ 65)

Marfat.com

عشق اور شوق

ابلهاں گفتند مجنون راز جهل
حسن لیلیٰ نیست چندان هست سهل
بهتر ازدی صد هزاران دلربا
هست همچون ماه در شهرائے گیا
گفت صورت کوزه است و حسن می
می خدایم می دهد از طرف وی
مرشمارا سر که داد از کوزه اش
تانباشد عشق او ناگوش کن

فرمایا پھر ایک محبوب حسین ہے' مگر اس کے برعکس صحیح نہیں' یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جو حسین ہے محبوب بھی ہو' حسن محبوبیت کا جزو ہے' اور محبوبیت اصل ہے۔ جب محبوبیت موجود ہو تو حسن موجود ہوتا ہے' کسی چیز کا جز اپنے کل سے جدا نہیں وہ کل کے تابع ہے' مجنوں کے زمانے میں لیلیٰ سے زیادہ خوبصورت حسین موجود تھے مگر وہ مجنوں کے محبوب نہ تھے۔ لوگوں نے ایک مرتبہ مجنوں سے کہا کہ ہم لیلیٰ سے زیادہ خوبصورت و حسین تیرے پاس لاتے ہیں تو مجنوں نے جواب دیا کہ میں لیلیٰ کو صرف صورت کی وجہ سے پسند نہیں کرتا لیلیٰ صورت نہیں ہے' لیلیٰ محبوبیت ہے میری دل کی۔ میرے ہاتھوں میں جام ہے' میں اس جام سے شراب پیتا ہوں اور تمہارے نظر پیالہ پر ہے۔ تم شراب سے آگاہ نہیں ہو۔ اگر میرا پیالہ سونے کا بنا ہوا ہو اور جواہرات سے مرصع ہو مگر اس میں سرکہ بھرا ہوا ہو یا اس میں شراب کے علاوہ دوسری چیز ہو تو وہ پیالہ میرے کس کام کا؟ ہر شخص دوسرے آدمی کی طرف رجوع حق کی غرض سے کرتا ہے۔ سب کا مطلوب حق ہی ہے اور طالب حق اسی امید پر اپنی عمر

Marfat.com

صرف کر دیتا ہے۔ (ملفوظات رومی۔ ص۔ 117)

عشق ایک احتیاج ہے!

این رهاکن عشق های صورتی
نیست بر صورت نه بد روی ستی
آن چه معشوقست صورت نیست تن
خواه عشق این جهان خواه آن جهان
آن چه بر صورت تو عاشق گشته
چون برون شد جال چرائش هشته
صورتش برجاست این زشتی زچیست
عاشقاوا بیں که معشوق تو کیست

صورت عشق کی فرع بن گئی کیوں کہ عشق کے بغیر اس صورت کی قدر نہ تھی۔ فرع وہ ہوتی ہے جو اصل کے بغیر نہیں رہ سکتی ہے۔ پس اللہ کو صورت نہیں کہتے' جب صورت فرع ہوئی تو اللہ کو فرع نہیں کہہ سکتے' کہا کہ عشق بھی صورت کے بغیر متصور نہیں ہے۔ صورت کے بغیر عشق کا انعقاد نہیں ہے۔ پس فرع صورت ہوتی ہے' ہم کہتے ہیں' صورت کے بغیر عشق متصور کیوں نہیں۔ عشق تو صورت انگیز ہے۔

آن چه محسوس است اگر معشوقہ است
عاشقشتی هرکه اوراحس است
چون وفا آن عشق افزون می کند
کی وفا صورت دگر گوں می کند

جب تک عشق خانہ نہ ہو کوئی انجینئر خانہ کی صورت کا تصور نہیں کرتا' یہ اسی طرح ہے کہ ایک سال گندم سونے کے بھاؤ ہے اور ایک سال مٹی کے بھاؤ۔ گندم کی صورت وہی ہے پس صورت گندم کی قدر و قیمت عشق ہوئی۔ (ملفوظات رومی۔ ص۔ 208)

Marfat.com

امیر خسرو نے آگے جا کر اس کبریائی کو یوں بیان کیا ہے:

من مے زدہ دوشم شاید کہ خیال تو
امروز بیک ساغر مستانہ کند ما را

گل اندک عمر و چندان باد در سر
چگونہ خندہ ناید گلستان را

از این رہ رفت خسرو، خلق گویند
چو بینند جا بہ جا از خون نشانہا

می زنندم طعنہ کاخر دل کہ گم کردی بجوی
من کہ خود را کردہ ام گم چون بجویم دیگرے را

خود چو بدیدی کہ رفت عمر بسان پریر
از پی فردا مدار حاصل امروز را

نقد تو امشب خوش است زانکہ چو فردا بود
قدر نباشد بہ روز شمع شب افروز را

از حاجی بیابان پرسید ذوق زمزم
چہ آگہی ز کعبہ پرندہ حرم را

از آہ سوزناکم دود از جہان برآمد
بے تو جہان چہ باشد، آتش زنم جہان را

آن روی نازنین را یکدم بہ سوی من کن
تا بیشتر نسیم نسرین و ارغوان را

مطرب، بزن رہے و مبین زد من، ازانک
بر سبحہ منست شرف چنگ و نای را

میخواندم گدای خود و گوئی آن زمان
ملک دو کون زیر نگین میکند مرا

نہ من بہ اختیار چنین مست و بیخودم
چیزے ست در دلم کہ چنین میکند مرا

Marfat.com

مکن بہ شمع مہ و مہر نسبت رخ دوست
کہ فرق هاست بسے نور آشنائی را

کعبہ گر هست قبلہ همہ عالم
چہ خبر زان شرف کبوتر او را

ما بے خبر از نظارہ بودیم
جان رفت و خبر نکرد ما را

دشوار رود مہر تو از سینہ خسرو
ماندست چو نقشے کہ بماند بہ نگینہ

جانم چو رفت از تن برون وصلم چہ کار آید کنون
این زهر بگذشت از فسون ضایع مکن تریاک را

خسرو است و سوز دل وز ذوق علام بیخبر
مرغ آتشخوارہ کے لذت شناسد دانہ را

رفتند رفیقان دل صد پارہ ببروند
کروند رها دامن صد پارہ ما را

تو چو بهشت در نهان، ما و دلے و سوزشے
دوزخی از کجا خورد مائدہ نعیم را

گفتم توئی اندر تنم یا هست جان روشنم
گفتی کہ آرے آن منم، گر آن توئی، پس جان کجا

پر ملایک هیزم است آنجا کہ عشقت شعلہ زد
شرمت نیاید سوختن خاشاک دود انگیز را

از خاک هستی ما گرد عدم برآمد
اے کاشکی نبودے ننگ وجود ما را

صوفی ماشد خراب دوش بیک بانگ چنگ
پیش بریشم کشید خرقہ پشمینہ را

پرید جانب او مرغ روح و بامن گفت

Marfat.com

کہ من شدم، تو نگہدار آشیان مرا
دست در گل ھمی زنم، لیکن
خار می گیرد آستین مرا
از جان خویشتن ہم رازت نہفتہ دارم
زیرا کہ می نشاید بیگانہ محرمی را

(انتخاب غزلیات خسرو- ص- 287-289)

ذات خداوندی سے توفیق طلب کرنے اور اس کی مدد کے بارے میں مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ!

خدا سے مدد و توفیق طلب کرو کیوں کہ ان کی مدد کے بغیر، ان کی امداد و تائید کے بغیر کامیابی و کامرانی ناممکن ہے- علاوہ ازیں بے ادب شخص صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتا ہے بلکہ کل جہاں میں آگ لگا دیتا ہے-

از خدا جوئیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از لطف رب
بی ادب تنہانہ خود راد اشت بد
بلکہ آتش در ھمہ آفاق زد
مانده از آسمان درمی رسید
بی شراء وبیع وبی گفت و شنید
درمیان قوم موسیٰ چند کس
بی ادب گفتند کو سیر و عدس

بہرحال اس باب سے متعلق تمام اشعار کا اردو منظوم ترجمہ حضرت عبداللہ خان صاحب عسکری نے اپنی کتاب مثنوی مولانا روم حصہ اول- ص- 41_42 تک خوبصورت انداز میں کیا ہے- یہ کتاب ناپید ہے جسے عرصہ قبل دارالکتب نادرہ میکلوڈ روڈ لاہور، پاکستان نے شائع کی تھی-

آ خدائے لم یزل سے مانگ توفیق ادب

Marfat.com

بے ادب محروم ہووے از کرام لطف رب!
بے ادب کرتا نہیں ہے ایک اپنا ہی برا
آگ سب آفاق کے اندر مگر ہے ڈالتا
قوم موسیٰ کو فلک سے تھا پہنچتا مائدہ
بے مشقت' بے تکلم' بے عوض' باقاعدہ
قوم موسیٰ میں سے لیکن بے ادب کچھ شخص تھے
اس لئے وہ "ہے کہاں نیر و عدس کہنے لگے"
بندان پر ہو گیا پھر خوان و نان آسمان
پڑ گیا پھر فکر روزی' کشت و بیل و داسماں!
بارو یگر کی مسیحا نے شفاعت پیش حق
خوان میں بھیجا لگا کر مائدوں کو برطبق
خوان و نان آسماں ان پر ہوئے پھر عائدہ
کیونکہ عیسیٰ نے کہا تھا بھیج ہم پر مائدہ
تھے مگر گستاخ ایسے پھر ادب سے پھر گئے
اور فقرا کی طرح بدنیتی میں گھر گئے
کی خوشامد ان کی عیسیٰ نے کہا اے مرد ماں
دائمی ہے' کم نہ ہو گا خوان و نان آسماں
بدگمانی' حرص و لالچ کی یہ عادت چھوڑ دو
کفر ہو گا رحمت حق کو اگر تم موڑ دو
پر نہ بدبختوں نے چھوڑا لالچی مقسوم خود
رحمت حق سے وہ آخر ہو گئے محروم خود
آسمان سے خوان نعمت ہو گئے سب منقطع
بعد اس کے پھر کسی نے بھی نہ پایا منتفع
مند ہو خیرات گر ہوتی نہیں بارش وہاں
اک زنا سے مبتلائے قہر ہو سارا جہاں

Marfat.com

جب کبھی نازل ہوں تجھ پر رنج و غم کی آندھیاں
تو سمجھ اپنی انہیں گستاخیاں بے باکیاں
راستے میں یار کے جو شخص بھی بیباک ہے
وہ بڑا ہی رہزن و نامرد ہے ناپاک ہے
بے ادب، گستاخ، رہرو ہے جو روتا ہے وہی
وادی حسرت کے اندر غرق ہوتا ہے وہی
نور سے معمور ہے باعث ادب کے، آسماں
ہیں ادب سے بے گناہ و پاک سب کرو بیاں
دیکھ، گستاخی سے ظاہر ہے کسوف آفتاب
ہے عزرائیل اپنی گستاخی سے دائم رد باب
حال میمان اور شہ جلد کیجئے تا تمام
انتہا رکھتا نہیں بے انتہا ہے یہ کلام!

علامہ ڈاکٹر عبدالحکیم مرحوم نے اپنی کتاب میں (30-33) لکھا ہے کہ وحدت وجود کے قایل تنوع اور کثرت کے مقابلے میں وحدت ذات کو زیادہ حقیقی سمجھتے ہیں اور عالم صفات و مظاہر سے عالم ذات کی طرف سفر کرنا مقصود حیات گردانتے ہیں۔ ذات بے تعینات عالم امتیازات سے ماوراء ہے۔ تمام رنگ وہاں سے صادر ہوتے ہیں جہاں کوئی رنگ نہیں۔

نیست یکرنگی کز و خیزد ملال
بل مثال ماہی و آب رلال
گرچہ درخشکی ہزاران رنگ ھا است
ماھیان رابا بوست جنگ ھا است
کیست ماہی؟ چیست دریا؟ در مثل
تابدان ماند خدای عز و جل
صدر ہزاران بحر و ماہی در وجود

Marfat.com

سجدہ آرد پیش آن دریای جود

ذات الٰہی کی ایک رنگی ایسی نہیں جو بے لذت اور ملال پیدا کرے اس کو اس مثال سے سمجھاتے ہیں کہ دیکھو مچھلی جو آب زلال میں زندگی بسر کرتی ہے وہ پانی کے ایک رنگی کو خشکی گوناگونی پر ترجیح دیتی ہے۔ پیدائش اور ماحول کا اختلاف افراد کے طبائع میں اختلاف پیدا کرتا ہے۔ اس لئے سب کے لئے ایک ہی قسم کی تعلیم موثر نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات اصول تدریج ہے۔ جو فرد جس منزل حیات اور جس درجہ ارتقاء میں ہے اس کی اصطلاحیں بھی اس کے مطابق ہوتی ہیں۔ فطرت میں ہر درجے کا قانون الگ ہے۔ تمام پرندوں کے لئے ایک ہی قسم کی غذا موزوں نہیں۔ اسی طرح طفل شیر خوار کی غذا شیر ہے۔ اگر اس کو روٹی کھلاؤ گے تو وہ مر جائے گا۔ جب اس کے دانت نکل آئیں گے تو خود بخود روٹی کا طالب ہو گا۔ جب تک کسی بچہ پرند کے پر نہیں نکلتے جرات پرواز اس کو بلی کا شکار بنا دے گی۔ پر نکل آئیں گے تو وہ بے تکلف اڑنے لگے گا اور اپنی حفاظت کر سکے گا۔ غرضیکہ جہاں زندگی ہے وہاں دو قوانین موجود ہیں۔ ایک قانون تنوع اور دوسرا قانون تدریج۔ اس میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنا موجب ہلاکت ہے:

دانہ ہر مرغ اندازہ ویست
طعمہ ہر مرغ انجیرے کے است
طفل را گر نان دہی برجاے شیر
طفل مسکین را ازان نان مردہ گیر
چونکہ وندا نہا برآرد بعد ازان
ہم بخود گرود دلش جویائے نان
مرغ پر نارستہ چوں پران شود
لقمہ ہر گربہ دران شود

مولانا کے ہاں جابجا جبر و قدر کی بحث ملتی ہے۔ یہ مسئلہ کبھی استدلال سے حل نہیں ہو سکتا۔ جبر اور قدر دونوں حقیقی ہیں لیکن ان کا باہمی تعلق ایک سربستہ راز

Marfat.com

ہے۔ انسان مختار بھی ہے اور مجبور بھی۔ لیکن کس حد تک مختار اور کس حد تک مجبور ہے' اس کا تعین دشوار ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں جبر اور اختیار دونوں کے ثبوت میں آیات ملتی ہیں' اسی طرح مولانا کے کلام میں بھی کہیں انسان مجبور محض دکھائی دیتا ہے اور کہیں مختار اور اپنے اعمال کا ذمہ دار۔ ایک مناجات میں خدا کے قادر و مطلق اور اپنے مجبور محض ہونے کو کئی تشبیہات میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم ایک ساز ہیں اور زخمہ زن تو ہے۔ ساز میں سے جو زاری کی دلسوز لے نکلتی ہے وہ تیری ہی آواز ہے۔ یا یوں کہئے کہ ہماری زندگی ایک پہاڑ ہے۔ اس کے اندر جو ہماری آواز معلوم ہوتی ہے وہ درحقیقت تیری ہی آواز کی گونج ہے:

ازروئے قرآن تمام توحیدی ادیان کی اساس واحد ہے اللہ نے ہر توحیدی دن کو اسلام کا نام دیا۔ اختلاف زمانہ سے انبیاء کی شریعتیں مختلف رہی ہیں عبادات و شعائر و مناہج میں بھی فرق رہا ہے۔

مولانا اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ نماز کی ایک صورت ہے اور ایک اس کا معنی۔ نماز کی صورتیں مختلف انبیاء کرام کے ہاں مختلف رہی ہیں لیکن معنی میں کوئی فرق نہ تھا۔ یہی حال دیگر عبادات و معاملات کے آئین کا ہے جو اقوام تغیر احوال کے ساتھ متغیر رہے ہیں۔ تمام انبیاء کو ہم مذہب اور برحق جاننا اسلام کی تعلیم کی امتیازی خصوصیت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء میں ایک ہی نور ہے' اگرچہ صورت کے لحاظ سے چراغ مختلف ہیں۔ مولانا اس صداقت کو واضح کرنے کے لئے دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دیکھو' انسان کی آنکھیں دو ہوتی ہیں لیکن دونوں آنکھوں کی بصارت ایک ہی ہوتی ہے۔ دو آنکھیں جب ایک چیز کو دیکھتی ہیں تو دونوں آنکھوں کو وہ چیز یکساں دکھائی دیتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ ایک آنکھ اس کو ایک طرح دیکھے اور دوسری آنکھ کو وہ کچھ اور دکھائی دے:

چوں بصورت بنگری چشمت دواست
تو بنورش در نگر کاں یک تو است

جرم چوں برکے افتد بصر
آں یکے باشد' دو ناید در نظر

Marfat.com

مولانا جلال الدین رومی کا خیال ہے کہ اشیاء کا مادی تقسیم اور مکانی تقسیم ممکن ہے جبکہ عالم معانی کی تقسیم ناممکن ہے۔ دنیا میں انسان کی گنتی ممکن ہے لیکن انسان کے معنی میں تعداد کی گنجائش ممکن نہیں ہے۔ دین روحانی اور معنوی حقیقت ہے اگر وہ لاکھوں میں پایا جائے تب بھی منقسم نہیں ہے۔

مولوی معنوی نے صورت و معنی کے باہمی تعلق کی نسبت کئی قسم کی تشبیہیں اور مثالیں استعمال کی ہیں۔ کہیں پوست اور مغز سے تشبیہ ہے اور کہیں استخوان و مغز سے:

من ز قرآں برگزیدم مغز را
استخواں پیش سگاں انداختم

صورت میں بحیثیت صورت کوئی جان یا قوت پرواز نہیں۔ معنی میں صورت پر پر پرواز لگا دیتے ہیں:

رو بمعنی کوش اے صورت پرست
زانکہ معنی برتن صورت پراست

ایک اور تشبیہ یہ ہے کہ معنی صورت کے اندر اس طرح ہیں جس طرح تلوار نیام میں۔ کسی صورت کے جو معنی ہیں وہ بغیر انکشاف حقیقت معلوم نہیں ہو سکتے۔ کون جان سکتا ہے کہ نیام کے اندر تلوار کس قیمت کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لکڑی کی تلوار پر کسی نے عمدہ غلاف چڑھا رکھا ہو۔ غلاف یا نیام سے باہر نکلنے پر ہی تلوار کی اصلیت معلوم ہو سکتی ہے۔ اگر اندر ، تلوار لکڑی کی نکلی تو وہ بے حیثیت ایندھن ہے۔ اسی طرح جب تک ارواح جسموں کے اندر ہیں ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بعد مرگ جسم کے سپرد خاک ہونے پر روح کی قیمت معلوم ہو گی۔ اگر اندر سے لکڑی کی تلوار ہی نکلی تو جہنم کا ایندھن بنا دی جائے گی:

جان بے معنی دریں تن بے خلاف
ہست ہمچو تیغ چوبین در غلاف

Marfat.com

تا غلاف اندر بود باقیمت است
چون برون شد سوختن را آلت است
تیغ چوبین را مبر درکار زار
بنگر اول تا نگردد کار زار

(تشبیہات رومی۔ ص۔ 35)

مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں!

کشتن آن مرد بردست حکیم
نی پی امید بود و زبیم
اورا نہ کشتن از برای طبع شاہ
تا نیامد امر و الہام ازالہ
آن پسر راکش خضر برید حلق
سر آن را در نیابد عام خلق

غرض یہ کہ حضور انور کے ہاتھوں سے زرگر یعنی نفس آمارہ کا قتل کیا جانا کسی لالچ سے نہیں تھا حضور کو یہ طمع نہیں تھی کہ بادشاہ ان کو انعام دیں اور انہوں نے نفس آمارہ کو خوشنودی بادشاہ کے لئے نہیں مارا تھا بلکہ اس میں فرمان خداوندی تھا۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ فرمان ربی کے چھ مقام ہیں' یعنی اول وحی کا مقام ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے پیغمبروں پر نازل کی جاتی ہے اور اس لئے خواب میں اور بے خوابی ضروری نہیں ہے مگر وحی آنے کے دوران انبیاء کے جسم پر اس کے اثرات ہوتے ہیں اور وحی کو سننے تک کے وقت تک بے خود رہتے ہیں۔

یادداشت کے لحاظ سے وحی کا ایک ایک لفظ انبیاء علیہم السلام کی دفاع میں ثبت ہو جاتا ہے اور وہ اس کا کوئی بھی حرف تاحیات نہیں فراموش کرتے ہیں۔

اس طرح دوم الہام ہے جو حکم الٰہی اولیائے کرام کے لئے ہوتے ہیں اور یہ پردہ غیب سے نازل ہوتے ہیں۔ ایسے الہام اکثر خواب میں آتے ہیں لیکن ضرورت کے وقت بیداری میں بھی آتے ہیں۔

Marfat.com

سوم کشف و مکاشفات جو عاشقان حق کے لئے مخصوص ہیں افشائے راز سربستہ کا خواب میں آنا لازمی ہے اور اس سے محض مقصد حاصل ہو جاتا ہے بلکہ اس کے الفاظ یاد نہیں رہتے ہیں۔

چہارم القاء یعنی خدا کی طرف سے کوئی بات دل میں آنا اس کا عمل صرف نیک لوگوں پر ہوتا ہے۔ اس سے بھی مقصد حل ہونے میں مدد ملتی ہے۔

پنجم علم غیب ہے اور اس پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

ششم یہ کہ خواب میں بھی نیک لوگوں کو غیب کی باتوں کا علم ہو جاتا ہے۔

آنکہ جان بخشد از بکشد رو است
نائب است و دست او دست خداست
ہم چو اسمٰعیل بہ پیشش سر بنہ
شاد و خندان پیش تیغش جان بدہ
تابماند جانب خندان تا ابد
ہم چو جان پاک احمد با احد
عاشقان جام فرح آنگہ کشند
کہ بدست خویش خوبان شان کشند
شاہ آن خون از پی شہوت نکرد
تو رہا کن بدگمانی و بنرد
تو گمان کر دی کہ کرد آلودگی
در صفا غش کہ ہلد یالودگی
بہر آنست این ریاضت و این جفا
تابر آرد کورہ از نقرہ جفا

مندرجہ بالا اشعار کا منظوم اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے!

شاہ کی خاطر نہیں تھا مرد وہ مارا گیا
جب تلک ہوتا نہیں الہام از امر خدا

Marfat.com

کاٹ ڈالا جب خضر نے اک پسر کے حلق کو
بھید ہوں معلوم اس کے کب عوامی خلق کو
ہو مخاطب جس کسی سے حق تعالیٰ در وحی
حکم ہووے اس کا جو کچھ عین ہے وہ بہتری
جان جو بخشے اسی کو مارنا بھی ہے روا
ہے وہ نائب ہاتھ اس کا ہے مگر دست خدا
طور اسمٰعیل کے تو سر جھکا دے رو برو
پیش اس کی سیف کے ہو جان دے کر سرخرو
جان تیری تاقیامت شادماں' خنداں رہے
جان احمد پاک جوں باأحد شاداں رہے
ہیں مناتے عاشقاں اس وقت عیش و لطف کو
جب بدست ماہرو یاں جان ان کی قبض ہو
بادشاہ نے خون بہایا واسطے شہوت نہیں
بدگمانی سے نہ کر تکرار اس جاہل حزیں
بدگمانی ہے تجھے کی شاہ نے آلودگی
گندگی ہرگز نہ ہو گی اندروں پالودگی
ہے اسی کے واسطے ساری ریاضت باجفا
تا بھڑک کر آگ کر دے میل نقرہ سے جدا
چھوڑ دے تو ظن عیب و جرم کو اے بد گماں
حکم حق ہے ظن بعضے ہیں گناہ بیکراں
ہے اسی کے واسطے سب امتحان و نیک و بد
آگ میں تاجوش کھا کر زر اگل دے سب زبد
گر نہ ہوتا کام اس کا حکم سے اللہ کے
سگ درندہ اک وہ ہوتا پھر بجائے شاہ کے
شاہ لیکن شہوت و حرص و ہوا سے پاک تھا

Marfat.com

نیک تھا اس نے کیا تھا نیک لیکن بدنما
توڑتا ہے درمیان بحر گر کشتی خضر
خوب تر تھا توڑنا ہی سو درستی سے مگر
تو سمجھتا ہے کہ موسیٰ راز سے تھا بے خبر
اس لئے ہی خجل تھا یوں بات لئے پرتو نہ کر
گل گلاب سرخ ہے تو پڑھ رہا ہے خون اسے
زیرکی سے مست ہے مت جان تو مجنون اسے
خون مسلم کام ہوتا گر حکیم و شاہ کا
بھول کر بھی نام لیتا میں اگر تو کفر تھا
کانپتا ہے عرش سن کر صفت و تعریف شقی
ہو رہا ہے بدگمان اس کی ثنا سے متقی
باد شہ اک واقف اسرار تھا' آگاہ تھا
خاص اس کا مرتبہ تھا خاصہ اللہ تھا
شخص جس نے موت پائی اس طرح کے شاہ سے
ہو گیا دو چار جلدی تاج و تخت و جاہ سے
قہر خاصان خدا ہے از برائے لطف عام
ہے شریعت میں روا' لب بند کر لے بے لگام
گر نہ ہوتا سود اس میں قہر ہوتا کیوں روا؟
کب بنے تھا لطف مطلق درحقیقت پرجفا
کانپتا ہے طفل قینچی دیکھ کر حجام کی
دور ہو گا رنج اس کا ہے مگر منظور خوشی
نیم جان کو شاد کر دے اور بخشے سوروان
ناکسون پر رحم کرتا ہے زیادہ بے گمان
ترد لیکن کر رہا ہے آپ اپنے پر قیاس
دیکھ ہر شے دور سے تو نیک و بہتر بے ہراس

Marfat.com

سامنے آتا بتاؤں اک کہانی دلربا
تو اٹھائے لطف شاید اس جہان سے طالبا!

(مشرح و منظوم ترجمہ مثنوی مولانا روم۔ حصہ اول۔ حضرت عبداللہ خان صاحب عسکری۔ ص۔ 88-89)

خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے اپنی کتاب تشبیہات رومی میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک ظالم بت پرست یہودی تھا۔ اس نے ایک زن مومنہ کے ساتھ ایک بت کو رکھ کر کہا کہ اس کو سجدہ کرو۔ اس نے انکار کیا۔ تو اس ظالم نے اس کے بچے کو اس سے چھین کر آگ میں ڈال دیا۔ وہ خوف زدہ اور مامتا سے مجبور ہو کر ایمان سے ہاتھ دھونے والی تھی کہ بچہ جلتی ہوئی آگ میں سے پکارا کہ اے ماں مت گھبرا میں جلا اور مرا نہیں۔ حضرت ابراہیم کی طرح یہ آگ میرے لئے گلستان بن گئی ہے۔ اس کے بعد بچے کی زبانی مولانا نے بڑے دلنشیں طریقے سے انسانوں کو سمجھایا ہے کہ انسان ایک عالم میں مرتا ہے تو دوسرے عالم میں پیدا ہوتا ہے۔ بچہ ماں کو کہتا ہے کہ جب میں تمہارے رحم میں تھا۔ تو ایک زندان تنگ میں رہتا تھا۔ اور کسی وسیع تر عالم سے بے خبر ہونے کی وجہ سے میں اسی زندان کو جان و جہان سمجھتا تھا اور اس سے باہر قدم رکھنے کو موت سمجھ کر اس سے خائف تھا۔ لیکن جب فطرت نے مجھے وہاں سے رہائی بخشی اور میں پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ خوف بے بنیاد تھا۔ پیدائش مجھے ایک وسیع سرائے خوش رنگ میں لے آئی۔ اب میں اس جہان کشادہ کو جس میں میں نے زندگی کے کچھ دن گزارے ہیں پھر ایک رحم سمجھ لو۔ رب العالمین کی وسیع اور متنوع کائنات میں ایک زیادہ وسیع اور خوبصورت جہان ہے۔ اور ہر جہان ایک رحم کی مانند ہے۔ جس میں سے نکل کر ہی دوسرے جہان میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اس عالم میں ایک پیدائش سے جو تجربہ ہوا ہے۔ اس کی بناء پر اس رحم عالم سے نکل کر وسیع تر عالم میں جانے سے خائف نہیں ہونا چاہئے۔ جیتے جی بھی انسان خواہشات نفس کی موت سے ایک دوسری زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے کہ حضرت مسیح نے فرمایا کہ جب تک تم اس زندگی میں مر کر دوبارہ پیدا نہ ہو۔ تم خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ موتو اقبل ان تموتوا کی اسلامی تعلیم بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مولانا مندرجہ ذیل

Marfat.com

اشعار میں زندگی کے دو تین قوانین کو مثالوں کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ حوض کے اندر پانی مقید ہوتا ہے۔ لیکن ہوا اس کو رفتہ رفتہ نادیدہ طور پر خشک کر کے اڑاتی ہوئی اپنی جنس میں داخل کرتی رہتی ہے۔

اس لئے کہ آب اور ہوا دونوں میں عنصری مناسبت ہے۔ اسی طرح ہماری جان رفتہ ایک اور عالم کی طرف پرواز کرتی رہتی ہے۔ جو ہماری روح سے مناسبت رکھتا ہے۔ جس قسم کی روح ہوتی ہے۔ اسی قسم کے عالم کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے۔ جس قوم کا جس قسم کا مذاق ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں اسی قسم کے نصب العین پر لگی رہتی ہیں۔ جنس کو اپنی جنس سے ذوق حاصل ہوتا ہے۔ اور جزو اپنے کل سے پیوست ہونے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ مگر زندگی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ بعض اوقات کوئی چیز بالفعل ہم جنس نہیں ہوتی لیکن بالقوہ اس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ دوسری جنس میں مبدل ہو سکے۔ روٹی اور پانی اصلی اور عنصری حالت میں انسان کی جنس نہ تھے لیکن وہ ہضم ہونے کے بعد ہماری جنس بن جاتے ہیں۔ مگر یہ ذوق میلان جو غیر جنس کی طرف پایا جاتا ہے۔ ہر حالت میں قابل اعتبار نہیں ہو گا۔ اکثر اوقات یہ میلان مستعار ہوتا ہے۔ جس کو ثبات حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شکاری کسی پرند کو دھوکا دے کر پکڑنے کے لئے اس کی آواز کی نقل کرتا ہے۔ لیکن جوں ہی پرندہ اس شکاری کی شکل دیکھتا ہے۔ تو اس سے گریز کر جاتا ہے۔ سلیم الطبع اسی طرح فریب سے آگاہ ہو کر بچ نکلتے ہیں۔ اسی طرح پیاسا سراب کو آب سمجھ کر اس کی طرف لپکتا ہے۔ لیکن جب وہاں پانی نہیں پاتا تو واپس لوٹتا اور کہیں اصل پانی کی تلاش کرتا ہے۔ بعض اوقات مفلس لوگ کھوٹے سکوں سے خوش ہو جاتے ہیں۔ مگر آخر میں زر قلب جب ٹکسال میں پرکھا جاتا ہے تو ذلیل ہو جاتا ہے۔ اخلاقی اور روحانی زندگی میں بھی ان جھوٹی مشابہتوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ دیکھنا کوئی ملمع ساز تمہیں گمراہ نہ کر دے۔ (تشبیہات رومی۔ 37_39)

دریائے ہوس

عالم انسانی خواہشوں کا ایک متلاطم سمندر ہے۔ حرص و ہوا کے بندے اس میں

Marfat.com

ڈوب جاتے ہیں۔ اور صرف وہی شخص تیر سکتا ہے۔ جس نے اپنے باطن کو دنیا کی موہوم امیدوں اور ناپائیدار دھوکوں سے خالی کر لیا ہو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ درویش کی مثال ایسی ہے کہ ایک خالی گھڑا ہے۔ جس کا منہ بند ہے۔ دریا میں کیسا ہی طوفان برپا ہو۔ وہ اس میں ڈوب نہیں سکتا۔ اس کے اندر بس بے ہوسی کی ہوا ہے۔ شہوات و آفات کا کوئی سمندر ایسے بے ہوس انسان کو ڈبو نہیں سکتا۔ اور تدبر و تفکر سے کام لیں۔ کائنات کے آئین معقول ہیں اور ان کا مطالعہ انسان کو بصیرت و قدرت بخشا اور اس کے اندر نائب حق بننے کی صلاحیتیں پیدا کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ عقل کا انسان کے ساتھ ایک عجیب قسم کا رشتہ ہے۔ پہلے انسان طالب حکمت ہوتا ہے۔ پھر ترقی کر کے وہ خود منبع حکمت بن جاتا ہے۔ اور تحصیل علم و اسباب علم سے متغنی ہو جاتا ہے۔ اس کے حافظے کی لوح حقائق ازلیہ کی لوح محفوظ بن جاتی ہے۔ اور اس کی روح روح القدس سے فیض یاب ہوتی ہے۔ انسان کی رفتار ارتقا یہ ہے کہ پہلے ابتداء میں عقل اس کی معلم ہوتی ہے۔ لیکن آخر میں انسان معلم اور عقل اس کی شاگرد بن جاتی ہے۔ کیونکہ حقیقت وجدان کی طرف سفر کرتے ہوئے ایک مقام ایسا آ جاتا ہے کہ استدلالی عقل وہاں کام نہیں دیتی۔ ایک اور جگہ مولانا نے فرمایا ہے کہ خشکی کی سواری پانی میں کام نہیں دے سکتی۔ جہاں بحر توحید آ جاتا ہے۔ وہاں وجدانی بصیرت عقل استدلالی سے الگ ہو جاتی ہے۔ عقل ساحل تک پہنچا کر انسان کو خیرباد کہتی ہے۔ جیسے کہ جبرئیل نے ایک مقام پر پہنچ کر معراج میں رسول پاکؐ سے عرض کیا کہ اب میں آگے آپ کا ہم رکاب نہیں ہو سکتا۔ اگر آ ــــ پرواز کی جرات کروں گا تو میرے پر جل جائیں گے۔

بہانہ تراش نفس کی سزا

مولانا جبر کے خلاف لکھتے ہوئے تحت الشعور کی نفسیات بیان کرتے ہیں۔ اور اپنی تائید میں یہ حدیث نبوی پیش کرتے ہیں کہ

ان تمارفتم لونیا تمرضو

اے منافقو اگر تم سعی جدوجہد سے بچنے کے لئے جھوٹ موٹ بیمار ہو گئے تو

Marfat.com

واقعی بیمار ہو جاؤ گے۔

بے شکر و بے صبر اور کاہل انسان اپنی ذمہ داریوں سے گریز کرتے ہوئے اپنے تئیں مجبور ثابت کرنا چاہتا ہے۔ تحت الشعوری نفسیات نے ہزارہا انسانوں کا مشاہدہ کر کے اور ان کے امراض کی تشخیص کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

بعض انسانوں کے جسمانی عوارض بھی دراصل نفسیاتی عوارض ہوتے ہیں۔ ایک شخص ذمہ داری سے بچنا چاہتا ہے۔ کم ہمت ہے اور حوادث کا مردانہ وار مقابلہ نہیں کر سکتا تو اس کا تحت الشعور اس کو اپاہج اور مفلوج بنا دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو مجبور ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اس کی فطرت نے اس کو واقعی معذور بنا دیا۔ جو شخص یہ الاپتا رہے کہ صاحب میں معذور ہوں' مجبور ہوں' اگر میں مجبور نہ ہوتا' تو کسی کام سے دریغ نہ کرتا۔ وہ جیسا بہانہ کرتا ہے ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ جو شخص اپنے صاحب اختیار ہونے کا یقین رکھتا ہو۔ اس کی قوتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بعض کا عذر لنگ انسان کو واقعی لنگڑا بنا دیتا ہے۔

خلیفہ عبدالحکیم آگے چل کر لکھتے ہیں!

ایسا روحانی انسان جس کی نگاہ حقیقت شناس اور فلک شگاف ہوتی ہے۔ دنیا داروں کو حقیر اور بے حیثیت معلوم ہوتا ہے۔ دنیا دار اس کو اپنے اقدار کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس کی بصیرت ان کے ظرف کی مظروف نہیں انبیاء انسانیت کاملہ کی چشم بصیرت ہیں۔ اور آنکھ کی پتلی کی طرح چھوٹے نظر آتے ہیں۔ لیکن اسی آنکھ کی پتلی میں تمام افلاک سما جاتے ہیں۔ بلکہ نگاہ عارف اس جہان زمان و مکان اور حدود ارض و سما کو چیر کر ذات و صفات کا مشاہدہ کرتی ہے۔

دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا
آسماں آنکھ کے تل میں دکھائی دیتا

آں را کہ حقیقتش با ورشد
خود پہن تراز سپہر پنا ورشد
ملا گو یہ کہ برشد احمد بہ فلک

Marfat.com

سرمد گو یہ فلک بہ احمد ورشد

(تشبیہات رومی- ص- 41_42)

مولانا جلال الدین رومیؒ نے مسجد اقصیٰ اور ضروب اگنے کی بیان اور حضرت داؤد علیہ السلام کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے اس مسجد کو تعمیر کرنے کا عزم اور بعد میں اس کام کی توقف کو یوں بیان کیا ہے۔

جب داؤد کا ارادہ سخت ہو گیا کہ مسجد اقصیٰ کو پتھر سے تعمیر کریں تو اللہ نے ان کو وحی بھیجی کہ یہ نہ کر کیوں کہ تیرے ہاتھ سے یہ مسجد تعمیر نہ ہو گی ہماری تقدیر میں یہ نہیں ہے کہ تو اس مسجد اقصیٰ کو بلند و بالا کریں انہوں نے کہا کہ راز جاننے والے میری کیا خطا ہے کہ آپ مجھے منع کر رہے ہو۔

فرمایا کہ تو نے بغیر کسی جرم کے بہت خون کئے میں مظلوموں کی خون گردن پر لئے میں کیوں کہ بے شمار لوگوں نے تیری آواز سے جان دے دی اور وہ اس کا شکار بن گئے۔ تیری آواز پر بہت خون ہوئے ہیں تیری حسین جان کو مشغول کرنے والی آواز سے انہوں نے عرض کیاس کہ میں مغلوب اور تیرا امت تھا میرا ہاتھ تیرے ہاتھ سے بندھا ہوا تھا کیا ایسا نہیں کہ شاہ کا مغلوب قابل رحم ہوتا ہے کیا ایسا نہیں ہے کہ مغلوب معدوم کی طرح ہوتا ہے۔ (مثنوی مولوی معنوی- ص- 49)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا کلام درستگی باطن اور بلند مراتب پر مشتمل ہوتا ہے' جیسے طہارت' خشوع و خضوع اور ان کی اضداد سے ان کا کلام مبرا ہوتا ہے خداوند کریم نے انبیاء کو ان پاکیزہ مطالب کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے اور ان کی قدر و منزلت اس سے کہیں برتر ہے جو وحی کے علاوہ ان سے اشارتاً" یا صراحتاً" ظاہر ہوتے ہیں' بلکہ وہ بسااوقات مقام احسان سے فرو آکر عام مومنوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہوئے تبلیغ دین کا کام سرانجام دیتے ہیں! (انفاس العارفین- ص- 300)

Marfat.com

ارواح و ابدان اور قانون ارتقاء پر مرحوم خلیفہ عبدالحکیم نے لکھا ہے!

اکثر صوفیاء کا جن میں مولانا روم بھی شامل ہیں یہ عقیدہ ہے کہ ارواح کا اصلی اور ازلی مقام ذات باری تعالیٰ ہے۔ روحیں ذات الٰہی سے الگ ہو کر جسموں میں محبوس ہوئی ہیں۔ یا یہ کہ ارواح نے خود اپنے مناسب اجسام اختیار کئے ہیں:

قالب از ما ہست شد نے ما ازو

لیکن یہ سوال باقی رہتا ہے کہ ارواح زوال اور فراق میں کیوں مبتلا ہوئیں؟ سفیر روم اور حضرت عمر کے مابین ایک فرضی مکالمے میں روم کا پیام بردار حضرت عمر سے یہی سوال کرتا ہے:

با عمر گفت اوچہ حکمت بود و سر
حبس ایں صافی دریں خاک کدر
آب صافی در گلے پنہاں شدہ
جان صافی بستہ ابداں شدہ

روح کا آب صافی اس مادی عالم کی مٹی میں کیوں پنہاں ہو گیا؟ جان صافی کیوں بدن کے تیرہ زندان میں محبوس ہوئی؟ مرغ روح کو اس قفس عنصری میں کیوں مقید کیا گیا؟ حضرت عمر جواب دیتے ہیں کہ تو نے ایک عجیب مسئلہ چھیڑا ہے۔ بھلا تو بتا کہ تو نے اپنے معنی کو الفاظ میں کیوں بند کیا ہے۔ معنی آزاد کو تو نے حرفوں میں مقید کر دیا ہے۔ تجھے اس سے آخر کچھ فائدہ مقصود تھا خواہ وہ فائدہ خود تجھ پر اچھی طرح واضح نہیں۔ کسی فائدے کے لئے معنی کو الفاظ میں پابہ زنجیر کرنا تو جائز اور ضروری سمجھتا ہے' تو بھلا تمام فوائد کو پیدا کرنے والا خالق اگر روحوں کا اس میں فائدہ نہ سمجھتا تو ان کو عالم خاکی میں پابہ گل کیوں کرتا؟ لاتمناہی فوائد خدا کے مد نظر ہوں گے۔ تیرے نطق نے الفاظ کا جامہ پہن لیا۔ خدا جو سرچشمہ نطق ہے اس کا حرف "کن" کیوں اجسام کا جامہ نہ پہنے؟

جواب عمر:

گفت تو بحث شگوفے می کنی

Marfat.com

معنی را بند حرفے می کنی
حبس کردی معنی آزاد را
بند حرفے کردہ تو یاد را
از برائے فائدہ ایں کردہ
تو کہ خود از مائدہ در پردہ
آنکہ از وے فائدہ زائیدہ شد
چوں نہ بیند آنچہ مارا دیدہ شد

قانون ارتقاء

مولانا اس عقیدے کو بار بار دہراتے ہیں کہ حیات و کائنات میں ایک قانون کلی یہ ہے کہ عروج و ترقی کے لئے ہستی ادنیٰ کسی وجود برتر سے ہم کنار ہو۔ تمام موجودات میں مدارج موجود ہیں۔ سب سے ادنیٰ درجہ جماد کا ہے' اس کے اوپر نبات' اس کے اوپر حیوان' اس کے اوپر انسان۔ پھر انسانوں کے اندر بے شمار مدارج ہیں۔ علم و عرفان و عشق کی کمی و بیشی نے جہلا سے لے کر اولیاء اللہ اور انبیاء تک بے شمار درجے قائم کر دیئے ہیں۔ لیکن ادنیٰ میں بالقوائے یہ صلاحیت اور استعداد موجود ہے کہ اعلیٰ کی صحبت وہ اعلیٰ کا ہم رنگ ہو جائے' جیسے لوہا آگ میں پڑ کر آگ کی صفات پیدا کر لیتا ہے۔ دانہ اپنے آپ کو مٹی کے سپرد کرتا ہے تو وہ ہرے بھرے کھیت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ندیاں دریا میں پہنچ کر دریا بن جاتی ہیں۔ روٹی انسان کے اندر داخل ہو کر زندہ اور باخبر بنتی یعنی انسان کی جان اور اس کے شعور میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ موم ہو یا ایندھن' آگ کی صحبت سے پرانوار ہو جاتے ہیں۔ سرمہ آنکھ میں پڑ کر بینائی بن جاتا ہے۔ غرضیکہ قانون ارتقا یہی ہے۔ "از خود رستن و بوجود برتر پیوستن۔" موجودات میں ہر چیز کے لئے ترقی کی راہیں کشادہ ہیں اور ترقی کا اصول بھی سب جگہ ایک ہی ہے۔ اپنی ذات کو کسی بالاتر ہستی میں ضم کر کے اس کا ہم صفت ہو جانا:

سیل چوں آمد بدریا بحر گشت
دانہ چوں آمد بہ مزرع گشت کشت

Marfat.com

چوں تعلق یافت نان فدائے نار شد
نان مردہ زندہ گشت و باخبر
موم و ہیزم چوں فدائے نار شد
ذات ظلمائی او انوار شد
سنگ سرمہ چوں کہ شد در دیدگاں
سنگ بینائی شد ایں جاویدہ باں
اے خنک آں مرد کز خود رستہ شد
در وجود زندہ پیوستہ شد

(تشبیہات رومی- ص- 56-57)

Marfat.com

آٹھواں باب

شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ

شیخ شرف الدین مصلح معروف بہ سعدی شیرازی 1333 عیسوی میں پیدا ہوئے۔ تاہم بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ مظفرالدین زنگی کے دور میں پیدا ہوا تھا۔ حیات سعدی کے مصنف مولوی خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی نے شیخ سعدی کے احوال و آثار پر یوں بحث کی ہے!

اگرچہ شیخ کے والد گرامی ایک درویش مزاج آدمی تھا اور بچپن میں شیخ کو بہ نسبت علم حاصل کرنے کے زہد و عبادت اور صلاح و تقویٰ کی زیادہ ترغیب دی گئی تھی۔ اس کے سوا شیخ ابھی جوان نہ ہونے پایا تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ مگر اس سے ہوش سنبھالتے ہی شیراز اور اس کے قرب و جوار میں علماء کی مجلس میں نشست و برخاست شروع کیا۔

شیراز کی حالت سے تنگ آ کر شیخ سعدی نے کہا!

دلم از صحبت شیراز بکلی بگرفت
وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم
سعدیا! حب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتوان مرد بسختی کہ من این جاز ادم

اس زمانے میں مسلمانوں کے بے شمار مدرسے بلاد اسلام میں جا بجا کھلے ہوئے تھے جہاں دور دور سے طالب علم آ کر تحصیل علم کیا کرتے تھے۔ الغرض شیخ سعدی نے مدرسہ نظامیہ میں جا کر تحصیل علم شروع کی اور جیسا کہ بوستان میں اس نے تصریح کی ہے وہاں سے اس کے لئے کچھ وظیفہ بھی مقرر ہو گیا تھا بغداد میں جن لوگوں سے شیخ

Marfat.com

نے پڑھا ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور عبدالرحمٰن ابن جوزی ہے جس کا لقب جمال الدین ہے۔ جمال الدین علم تفسیر کا ماہر اور کئی کتب کے مصنف تھے جبکہ وقت کا سب سے جید عالم دین تھا۔ (حیات سعدی۔ ص۔ 20)

دنیائے ادب میں سعدی کی ابدی اور آفاقی شہرت عام طور پر ان کی اخلاقی شاعری کی مرہون منت قرار دی گئی ہے لیکن یہاں ہمیں ان کی اخلاقی شاعری سے علاقہ نہیں ہمارا موضوع محدود ہے اور ہمیں غزل نگاری سے سروکار ہے۔ سعدی پہلا شاعر ہے جس نے غزل کے لئے ایک ایسا سانچہ اور معیار قائم کیا جس میں صدیوں بعد آج تک کچھ اضافہ نہ ہو سکا۔ سعدی سے پہلے متقدمین عام طور پر قصیدے کی تشبیب میں ہی غزل کے عاشقانہ مضامین ادا کر دیتے تھے انوری اور ظہیر فاریابی نے تشبیب کو قصیدے سے الگ کر کے مطلع و مقطع کے ساتھ غزل کے جداگانہ وجود کو بھی متعارف کرا دیا تھا۔ حکیم سنائی، خواجہ فریدالدین عطار اور مولانا جلال الدین رومی نے وجدانیات اور عرفانیات سے لبریز غزلیں لکھیں جو مقبول ہو سکیں۔ سعدی نے غزل میں عرفانیات محض سے اغماض کر کے عشق مجازی کی آپ بیتی شروع کی۔ انہوں نے جس نصب العینی محبوب کا خاکہ پیش کیا ہے وہ عام نازنینوں کی طرح گوشت و پوست کا ایک زمینی پیکر ہے۔

ای لعبت خندان، لب لعلت کہ میکد است
وز گلبن رویت گل خندان کہ بچید است

اس کے بعد لکھتے ہیں!

مرا تا نقرہ باشد می فشانم
ترا تا بوسہ باشد می ستانم

سعدی نے داخلی کیفیات اور احساسات و جذبات کو طرح طرح سے بیان کیا ہے۔ فصاحت و بلاغت میں سعدی کا کلام عظیم المثال ہے۔ (شعر ناب۔ غلام نظام الدین مرولوی۔ ص۔ 21-22)

شیخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسے کی صحبت سے عالم طالب علمی میں

Marfat.com

تصوف اور درویشی کے خیالات اس کے دل سے اتر گئے تھے۔ شیخ نے اس شعر میں اکثر یہ بات جتائی ہے کہ اس کو کسی سرزمین کے ساتھ عراق یا بغداد سے بڑھ کر تعلق نہیں رہا چنانچہ فرماتا ہے!

بعد از عراق جای خوش نادیدم هوای
ساقی بزن نوای زان پرده عراقی

جس زمانے میں شیخ نظامیہ بغداد میں زیر تعلیم تھا اس وقت عباسیوں کی خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا مگر ظاہری شان و شوکت ہارون اور مامون کے عہد کو یاد دلاتی تھی۔ عباسی کا امیر خلیفہ معتصم باللہ سریر خلافت پر متمکن تھا اور اس کے عہد میں گویا بغداد کی خلافت نے چند روز کے لئے سنبھالا لیا تھا۔ اطراف عالم کے اکابر و اشراف اور ہر علم و فن کے ماہر اور ارباب حرفت و صنعت بغداد میں موجود تھے۔ عیش و عشرت کا سامان ہر طرف زیادہ اور فراواں تھا۔ خلیفہ کے خوف سے دیگر سربراہان مملکت خوفزدہ تھے اور بارگاہ خلافت میں مشکل سے باریاب ہوتے تھے۔

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کے چند آبیات ملاحظہ ہو!

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک معتصم امیرالمومنین

ترجمہ: آسمان کا فرض ہے کہ معتصم کی تباہی پر خون برسائے۔

اے محمد! گر قیامت می براری سر زخاک
سربر آور ویں قیامت درمیان خلق ہیں

ترجمہ: اے محمد! (صلعم) اگر آپ قیامت ہی کو مرقد سے باہر نکلیں گے تو ابھی نکل کر قیامت دنیا میں دیکھ لیجئے۔

نازنینان حرم را خون حلق نازنین
زاستاں بگذشت و مارا خون دل از آستیں

ترجمہ: محل کے ناز پروردوں کے حلق کا خون ڈیوڑھی سے بہہ گیا اور ہمارے دل کا خون آستین سے ٹپک نکلا۔

Marfat.com

زینہار از دور گیتی و انقلاب روزگار
در خیال کس نہ گشتے کانچناں گردد چنیں

ترجمہ : دنیا کی گردش اور زمانے کے انقلاب سے پناہ مانگنی چاہئے' یہ بات کسی کے خیال میں بھی نہ آتی تھی کہ یوں سے یوں ہو جائے گا۔

دیدہ بردار اے کہ دیدی شوکت بیت الحرام
قیصران روم سر بر خاک و خاقاں بر زمیں

ترجمہ : جنہوں نے اس بیت الحرام کی شان و شوکت دیکھی ہے جہاں روم کے قیصر اور چین کے خاقان خاک پر سر رگڑتے اور زمین پر بیٹھتے تھے' وہ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھیں۔

خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ
ہم براں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں

ترجمہ : کہ پیغمبر خدا کے نبی عم کا خون اس خاک پر بہہ گیا جہاں سلاطین ماتھا رگڑتے تھے۔

بعد ازیں آسائش از دنیا نباید چشمد است
قیر در انگشتری ماند چو برخیزد نگیں

ترجمہ : آئندہ دنیا سے آرام کی توقع رکھنی نہیں چاہئے کیوں کہ انگوٹھی پر سے جب نگیں جاتا رہتا ہے تو نری کلونس رہ جاتی ہے۔

دجلہ خو نابست زیں پس گر نہد سر در نشیب
خاک نخلستان بطحا را کند با خوں عجین

ترجمہ : دجلہ کا پانی لہو ہو گیا ہے۔ اگر اب جاری رہے گا تو نخلستان بطحا کی خاک کو خون سے رنگین کر دے گا۔

نوحہ لائق نیست بر خاک شہیداں زانکہ ہست
کمتریں دولت مر ایشاں را بہشت برتریں

ترجمہ : شہیدوں کی خاک پر نوحے کی کیا ضرورت ہے' کیونکہ ان کے لئے ادنیٰ نعمت فردوس بریں ہے۔

Marfat.com

لیکن از روئے مسلمانی و راہ مرحمت
مہرباں را دل بسوزد در فراق نازنیں

ترجمہ: ہاں مگر رحم اور اسلام کی ہمدردی کے سبب دوست کا دل دوست کی جدائی میں کڑھتا ہے۔

باش تا فردا کہ بنی روز داد و استخیز
کز لحد باروئے خوں آلودہ بر خیزد دفین

ترجمہ: کل تک صبر کرو' قیامت کے دن دیکھ لینا کہ قبر سے اہل قبر لہو بھرا منہ لے کر اٹھیں گے۔

تکیہ بر دنیا نباید کرد و دل بر وے نہاد
کاسماں گاہے بمہرست اے برادر گہ بکیں

ترجمہ: یارو دنیا پر بھروسا کرنا اور اس سے دل لگانا نہیں چاہئے۔ کیوں کہ آسمان کبھی دوست ہے اور کبھی دشمن۔ (حیات سعدی۔ ص۔ 27_28)

آخرکار شیخ مدرسہ نظامیہ سے نکل کر ایشیا اور افریقہ میں سیر و سیاحت کرتا رہا۔ جب کتابوں کا خوب مطالعہ کر لیا تو اس کے بعد کائنات کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ شیخ کی تحصیل اور مبلغ علم کا حال دریافت ہونا مشکل ہے تاہم بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے حکمت اور فلسفہ پڑھا تھا۔ جبکہ دینیات پر سب سے زیادہ توجہ دی تھی۔ شیخ کو علاوہ علم و فضل کے اکثر زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عربی زبان پر اسے مکمل دسترس حاصل تھی کیوں کہ وہ طویل عرصہ تک عالم میں معروف سیر و سیاحت تھا۔

گر خرد مند ز اجلاف صفای بیند
تاول خویش نیا زارد و درہم نشود
سنگ بد گوہر اگر کاسہ زرین بشکست
قیمت سنگ نیفزاید و زرکم نشود

گل خوشبوئی در حمام روزی
رسید از دست محبوبی بدستم

Marfat.com

بدو گفتم کہ مشکی یا عنبری
کہ از بوی دلاویز تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم
ولیکن مدتی با گل نشستم
جمال ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ھمان خاکم کہ ھستم

(حیات سعدی- ص- 93)

Marfat.com

نواں باب

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ

سرزمین افغانستان سے تعلق رکھنے والے مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ ایک بزرگ صوفی اور شاعر تھے جنہوں نے اپنے اشعار کے ذریعے انسانیت کو روحانی اسلام اور روح تصوف سے روشناس کرایا ہے۔

علی اصغر حکمت اور سید عارف نوشاہی نے مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے حالات زندگی پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اپنی کتاب کے صفحہ 130 میں وہ لکھتے ہیں!

حضرت ایشان (جامی) علیہ الرحمتہ والرضوان کی ولادت 23 شعبان المعظم 817ھ یعنی 1414ء کو ہوئی۔ ان کا اصلی لقب عمادالدین تھا مگر نورالدین سے مشہور ہوئے۔ اسم مبارک عبدالرحمٰن اور تخلص جامی ہے۔

مولدم جام و رشحہ قلمم
جرعہ جام شیخ الاسلامی است
لاجرم در جریدہ اشعار
بدو معانی تخلصم جامی است

مولانا عبدالرحمٰن جامی کے والد گرامی کا نام احمد بن محمد دشتی تھا۔ عبدالرحمٰن جامی کی عمر 81 برس تھی اور 18 محرم 898ھ بمطابق نومبر 1492ء کو ان کی زندگی کا جام چھلک گیا۔ واقعہ وفات کا ذکر کرتے ہوئے علی اصغر حکمت لکھتے ہیں!

حضرت جامی کی عمر کے آخری سال میں ان سے ایسی علامات ظاہر ہو رہی تھیں جیسے وہ ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ وہ ہجر کی رت کی باتیں کرتے اور احباب کو مفارقت سے تسلی دیتے اور ان کی زبان مبارک پر یہ دو اشعار جاری رہتے۔

Marfat.com

دریغا کہ بی مابسی روزگار
بروید گل و شگفتہ نو بہار
بسی تیر و دیماہ وارد بہشت
بیاید کہ ماخاک باشم و خشت

بیماری کی حالت میں گاؤں چلے گئے جب واپس آئے تو مزید بیمار پڑ گئے' جمعہ کا دن تھا کہ ان کی حالت سے پتہ چل گیا کہ وہ سفر آخرت کی تیاری کر رہا ہے۔ بعدازاں دو رکعت نفل پڑھ کر گناہوں کی معافی مانگی اور خالق حقیقی سے جا ملی۔ (جامی_ علی اصغر حکمت۔ ص۔ 130' 131' 132)

تاریخ ولادت

بسال ھشت صد و ھفدہ ز ہجرت نبوی
کہ زدز مکہ بہ یثرب سر اوقات جلال
زواج قلہ پرواز گاہ عز و قدم
بدین حفیض ہوان ست کروہ ام پروبال

"وہ چھوٹی عمر ہی میں اپنے والد محترم کے ساتھ ہرات آئے اور مدرسہ نظامیہ میں ٹھہرے۔ وہاں علوم عربی کے ماہر جنید اصولی کے درس میں داخل ہو گئے' جن کی شہرت بڑی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جامی کو "مختصر تلخیص" پڑھنے کا شوق ہوا۔ جب جامی اس درس میں داخل ہوئے تو بعض طلبہ "شرح مفتاح" اور "مطول" پڑھ رہے تھے۔ جامی اگرچہ ابھی شرعی حد بلوغت تک نہیں پہنچے تھے۔ لیکن خود میں وہ کتب سمجھنے کی استعداد پاتے تھے۔ لہٰذا وہ بھی "مطول" اور "حاشیہ مطلول" پڑھنے لگے' پھر وہ مولانا خواجہ علی سمرقندی کے حلقہ درس میں داخل ہو گئے۔ خواجہ سمرقندی مدقق روزگار اور حضرت سید شریف جرجانی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے نامور شاگرد تھے جو طریقہ مطالعہ (تدریس) میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جامی چالیس دن ہی میں ان سے فارغ ہو گئے اور مولانا شہاب الدین محمد جاجرمی کے حلقہ درس میں چلے گئے۔ مولانا جاجرمی اپنے

Marfat.com

وقت کے بہترین باحث تھے اور ان کا سلسلہ تلمذ حضرت مولانا سعد الدین تفتازانی رحمتہ اللہ تعالیٰ سے ملتا تھا۔ جامی فرمایا کرتے : "ہم جو چند روز ان کے درس میں گئے تو ان سے دو کار آمد باتیں سنیں' ایک یہ کہ کتاب "تلویح" پڑھاتے وقت وہ مولانا زادہ خطائی کے اعتراضات کا رد کرتے۔ پہلے دن جب انہوں نے ان (مولانا زادہ خطائی) کا اعتراض دور کرنے کے لئے دو تین مقدمات بیان کئے تو ہم نے انہیں جھٹلا دیا۔ دوسری نشست میں انہوں نے بڑے غور و خوض کے بعد جواب دیا جو قدرے منطقی تھا۔ دوسری بات' فن بیان میں ان کا مطول تلخیص سے تھوڑا اختلاف تھا۔ گو وہ بنیادی طور پر اس کی کوئی زیادہ تردید نہیں کرتے تھے اور صرف کتاب کی عبارت اور الفاظ پر اڑے ہوئے تھے' تاہم ان کی توجیہ میں کچھ وزن تھا۔" اس کے بعد جامی سمرقند میں قاضی زادہ روم کے مدرسہ میں چلے گئے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے بارے میں فرمایا! جب سے سمرقند آباد ہوا ہے جدت طبع اور قوت تصرف میں جام کے اس نوجوان کے پائے کا کوئی شخص دریائے آمو سے اس پار نہیں مل سکتا ہے۔

ایک ہرات میں مولانا علی ترکوں کی طرح ایک عجیب و غریب گٹھری باندھے' جامی کے مجلس میں آئے اور شبے کی آڑ میں فن ہیت کے چند بے حد مشکل سوالات سامنے رکھے تاہم جامی نے ان تمام سوالات کا جواب دیا۔

چھٹی کے ایام وہ فراغت اور آسودگی سے گزارتے۔ ان کی طبع اوراک اندیشہ ہائے دور و دراز میں مشغول رہتی' جب درس کو جاتے تو اکثر ایسا ہوتا کہ کسی ہم سبق سے کتاب لے کر چند لمحے مطالعہ کر لیا اور درس میں جا پہنچے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آپ ہی سب (طلبہ) پر غالب رہتے۔ مولانا معین تونی کہتے ہیں کہ جب جامی مولانا علی کے درس میں داخل ہوئے تو کسی صاحب استعداد کی طرف سے جو شبہ بھی سامنے آتا' جامی فوراً" اسے دور کر دیتے۔ وہ ہر روز مجلس میں اپنے حاصل مطالعہ سے دو تین خصوصی شبہات اور اعتراضات اٹھا جاتے۔ جامی بعض ایسے علوم کے اکتساب کی خاطر جن کا تعلق اور تقاضا سننے سے ہے' اپنے معاصرین کے درس میں جاتے رہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں کسی کی شاگردی کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ دنیا بھر کے مدرسین پر غالب تھے۔ ایک دن ان کے اساتذہ اور معلمین کی بات چل نکلی تو انہوں

Marfat.com

نے فرمایا: "ہم نے کسی استاد کے سامنے ایسا سبق نہیں پڑھا کہ وہ ہم پر غالب ہوتے بلکہ ہر بحث میں ہمیشہ ہمارا پلہ ہی بھاری رہا یا کبھی برابر رہتے۔ کسی شخص کا بھی ہم پر استادی کا حق ثابت نہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی کے شاگرد نے بھی استاد محترم کے حالات پر تفصیل سے لکھا ہے۔

تابیری از همه فردا سبق
زان کتب امروز بگردان ورق
علم کہ خواند بره ناصواب
باشد ازان علم سیه دو کتاب
نور دل از دیده سینا مجوی
روشنی از چشم نه بینا مجوی

(جامی۔ علی اصغر حکمت۔ ص۔ 142-144)

طب زنبی جوی کہ طب النبی
سادات از جملہ عمل اجنبی
از مرض جہل شفا خشدت
وز کدر نفس مفابخشدت
تابداز اسباب عمل رومی تو
واکند ازھر چہ نہ حق خوی تو
عمر توشد صرف اصول و فروغ
هیچ نیفتاد باصلت رجوع
برتوچون گشا دوز مفتاح راه
دولت فتح و در فتاح خواه
گرز موانع دل تو صاف نیست
کشف موانع حد کشاف نیست

Marfat.com

نور ہدایت زھدایتہ مجوی
راہ نیابت بہ نہایت مپوی
ترک نفاق و کم تلبیس گیر
علم زسہ چشمہ تقدیس گیر

(جامی۔ بحوالہ تحفتہ الاحرار۔ ص۔ 145)

جن لوگوں نے مولانا عبدالرحمٰن جامی کو تصوف کی طرف دعوت دی تھی ان کے بارے میں علی اصغر حکمت کا خیال ہے کہ جامی کو ان دنوں تفرقہ دل اور صورت آب و گل سے تعلق کی بناء پر جمعیت خاطر نہ تھی چنانچہ وہ ہرات سے سمرقند چلے گئے۔ ایک رات کو خواب میں اسے بتایا گیا کہ جاؤ بھائی کوئی دوست دیکھو کیوں کہ تمہارے لئے ناگزیر ہے۔

معشوقہ زد از میکدہ ام بانگ تعال
داوا زمی عشقم قدح مالا مال
از درد سر خرد شدم فارغ بال
برداشتم فغان بتقاضای وصال

خواب میں یہ بات سن کر جامی خراسان چلے گئے جہاں مخدوم خواجہ سعدالدین سے ان کی ملاقات ہوئی۔

دیدم پیری کہ از زید این چرخ کبود
چون اود گری زبود خود پاک نبود
بود آئینہ کہ عکس خورشید وجود
جاوید در او بصورت اصل نمود

حضرت مخدوم سعدالدین کا گھر اور مسجد عبدالرحمٰن جامی کے گھر کے قریب تھا۔
زیارت مکہ و زیارت مدینہ کے لئے تڑپ۔

دیدہ پرنم زغم زمزم و بطحا دارم

Marfat.com

دیدن کعبه بدین دیده تمنا دارم

زاویه جسم ترو زو غم و راحله شوق

بهراین ره همه اسباب مهیا دارم

خار پایم شده خاک وطن ای کاش کند

ناقه خار کن این خار که درپا دارم

تن من خاک عجم، جان و دلم مرغ حجاز

تنم اینجاست ولی جان و دل آنجا دارم

کعبه عذراست پس پرده و من وامق وار

دست همت زده در دامن عذرا دارم

نیست جز خال سیاه حجر الاسود او

در سوید ای دلم بین که چه سودا دارم

کردم از شوق مغیلان بره بادیه روی

تنگدل گشته هوای گل و صحرا دارم

ساربان گفت که جای مکن از فرق قدم

که قوی راحله بادیه پیما دارم

گفتمش رو که دو صد راحله نتواند برد

این همه بار که من بردل شیدا دارم

در راه مدینه

بر کنار دجله ام افتاده دور از خان و مان

وز دو دیده دجله خون در کنار من روان

پابرون کی کردمی بر خاک بغداد از رکاب

گر نه پیچیدی هوای یثربم آن سو عنان

جندا یثرب که تا یکدم کنم آنجا وطن

عمرها ترک اقامت در وطن کردن توان

Marfat.com

مرغ جان را آشیان اصلی است آن ای خدا
رہنما این مرغ را روزی سوی آن آشیان
خواب گاه حضرتی آمد کہ گر بودی بفرض
مرقد پا کش چو مہد عیسیٰ اندر آسمان
فرض بودی برہمہ بہر زیارت کردنش
صرف کردن عمر را در جست و جوی نرد بان
مرقد او در زمین پیدا زہی حرمان کہ من
یاز سر ناکردہ بنشینم زطوفش یکزمان
کی بود یارب کہ دل از فکر عالم کردہ صاف
گرد آن خرم حرم گویم خروشان در طواف

(حاجی_ علی اصغر حکمت- ص- 230-231)

نعت رسول مقبولؐ

یا شفیع المذنبین بار گناہ آوردہ ام
بر درت این بار بایشت دو تاہ آوردہ ام
چشم رحمت برگشا' موی سفید من نگر
گرچہ از شرمندگی روی سیاہ آوردہ ام
آن نمی گویم کہ بودم سالہا در راہ تو
ہستم آن گمرہ کہ اکنون ر براہ آوردہ ام
عجز و بیخویشی و درویشی و دلریشی و درد
این ہمہ بر دعوی عشقت گواہ آوردہ ام
دیورہ زن در کمین نفس و ہوا اعدای دین
زین ہمہ باسایہ لطفت پناہ آوردہ ام
گرچہ روی معذرت نگذاشت گستاخی مرا
کردہ گستاخی زبان عذر خواہ آوردہ ام

Marfat.com

بستہ ام برگِد گونخلی زخارستان طبع
سوی فردوس برین مشتی گیاه آورده ام
دولتم این بس کہ بعد از محنت و رنج دراز
برحریم آستانت می نہم روئی نیاز

(حاجی_ علی اصغر حکمت- سید عارف نوشاہی- مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان رضا پبلی کیشنز لاہور- ص- 234)

Marfat.com

دسواں باب

علامہ محمد اقبال اور ان کا فلسفہ تصوف

برصغیر پاک و ہند میں علامہ اقبال کے خدمات کو ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ وہ نہ صرف فلسفی اور صوفی شاعر تھے جنہوں نے اس خطہ میں رہنے والی قوم کو راہ دکھا دی بلکہ نظریہ پاکستان کا بانی بھی تصور کیا جاتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں رہنے والے تمام انسانوں پر علامہ اقبال کے احسانات بہت زیادہ ہیں۔ سید وقار عظیم نے اپنی کتاب (اقبال، شاعر اور فلسفی) میں ان کے نظریات کے بارے میں لکھا ہے!

بحیثیت مفکر و فلسفی اقبال نے زندگی کے مسائل پر تین مختلف طریقوں سے نظر ڈالی ہے اور تینوں طریقوں میں وہ کسی نہ کسی کی وکالت کا منصب اور فریضہ ادا کرتے ہیں۔ کہیں وہ آدم کے وکیل ہیں کہیں مسلمان اور کہیں خود اپنی انفرادیت کے۔ ان تینوں حیثیتوں سے اقبال کو خالق حقیقی کے سامنے مختلف طرح کی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔ باتوں کے اس فرق سے ان کے اظہار و بیان کا لہجہ متاثر ہوا ہے اور بعض اوقات اس نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ لوگوں کو اقبال کے خلاف طرح طرح کے فتوے صادر کرنے کا موقع ملا ہے۔ (اقبال، شاعر اور فلسفی۔ ص۔ 25)

اقبال کی فارسی اور اردو غزلوں، نظموں، رباعیوں اور بعض اوقات اکا دکا شعروں میں انسانی زندگی کے ان مختلف رخوں کی بڑی دلکش تصویریں ملتی ہیں اور ان تصویروں کی ترتیب سے ایک موثر ڈراما مرتب ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ لیکن ان تصویروں سے الگ ہٹ کر ایک اور طریقے سے یہ ڈراما اور بھی زیادہ موثر انداز اختیار کرتا ہے۔ اقبال نے اپنے فارسی اور اردو کلام میں صدہا مقامات پر خدا کو مخاطب کر کے ایسی باتیں کہیں جو آدم کے افسانے کی کسی نہ کسی کڑی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ باتیں کہتے

Marfat.com

وقت اقبال کے لہجے پر عموماً شکوے کا رنگ غالب رہا ہے اور یہ شکوہ کبھی کبھی اتنا تیز ہو گیا ہے کہ اسے آسانی سے گستاخی پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن یہ گستاخی' نمائندگی' حمایت اور وکالت کے اس منصب کی پیدا کی ہوئی ہے جو اقبال نے خود اپنے ذمے لیا ہے۔ اس منصب کو ادا کرنے کا جو اسلوب اقبال نے اختیار کیا ہے اس میں بلاشبہ ایک "بندہ گستاخ" کی بے باکی ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اس گستاخی اور بے باکی میں فن کی جو لطیف رنگینی ہے اس سے انکار مشکل ہے۔ اقبال کے کلام کا وہ تمام حصہ جو گستاخی و بے باکی کے فتوے کی زد میں آتا ہے ان کے شاعرانہ تخیل کی حسن کاری کا کرشمہ بھی ہے۔ انسان کی وکالت کے سلسلے میں اقبال نے بار بار جس بات پر زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان نے جب دنیائے آب و گل میں قدم رکھا تو یہاں ویران و غیر آباد بیابانوں اور کوہساروں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ زندگی تاریک اور بے رونق تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا اور خاموشی۔ انسان نے ہزار طرح کی سختیاں جھیل کر خار زاروں کو گلستان بنایا۔ بزم آرائیوں کی طرح ڈالی۔ اور زندگی کو رونق اور چہل پہل کے مفہوم سے آشنا کیا۔ راتوں کی تاریکی میں میں اجالا پھیلایا اور بزم آرائی حیات انسانی کی مستقل رسم بن گئی۔ انسان کے اس عظیم کارنامے کا ذکر اقبال بڑے فخر اور بعض اوقات بڑے غرور کے ساتھ کرتے ہیں اور انسان کی اس کارگزاری کے سامنے انہیں خدا کی کرشمہ سازی بھی ہیچ اور بے حقیقت معلوم ہوتی ہے:

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

اقبال نے ان تینوں شعروں میں آدم کی تخلیقی صلاحیتوں کی جو پرزور اور موثر وکالت کی ہے اس میں ان کے حکیمانہ انداز فکر کے علاوہ جو چیزیں ایک ایک حرف پر

Marfat.com

چھائی ہوئی ہیں ان میں سے ایک ان کے تخلیق کی ثروت ہے اور دوسری ان کے شاعرانہ احساس کی نزاکت و لطافت۔

انسان کو اپنی بے پایاں صلاحیتوں کا احساس ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اسے دنیا میں آ کر نیابت الٰہی اور خلافت خداوندی کا جو اعلیٰ منصب ادا کرنا ہے اس میں اسے انہیں صلاحیتوں سے مدد لینی ہے اور یہ کہ دنیا میں رہ کر فطرت کو تسخیر کر کے اسے اپنے مقاصد کا تابع بنانا ہے لیکن اس بہت بڑے اور بہت پھیلے ہوئے کام کی تکمیل کے لئے مدت بھی لامحدود ہونی چاہئے۔ اسی لئے انسان کو خدا سے یہ شکایت ہے کہ اس نے اسے ایسی زندگی دی جو مختصر بھی ہے اور فانی بھی۔ اس خیال کو اقبال کے تخیل نے بہت سی صورتوں میں دیکھا ہے اور ہر صورت کا نقش اپنی شاعرانہ صناعی اور صورت گری سے تیار کیا ہے۔ تخیل کی اس صورت گری میں شکایت کا رنگ کہیں تو ہلکا ہے۔ جیسے اس شعر میں:

گناہ ماچہ نویسند کاتبان عمل
نصیب ماز جہان تو جز نگاہے نیست

کہیں اس میں بڑی تلخی، تیزی اور تندی، تاہم علامہ اقبال نے واضح طور پر کہا ہے کہ نصیب ماز جہاں توجز نگاہ نیست۔

اس شکایت کے علاوہ خدا نے اتنا بڑا کام انسان کے سپرد کر کے اسے مختصر سی زندگی دی۔ انسان کو اور اس لئے بحیثیت انسان کے وکیل کے اقبال کو خدا سے اور بھی طرح طرح کی شکایتیں ہیں اور ان شکایتوں کا بیان ان کی نوعیت کے فرق کی بنا پر مختلف طریقوں سے ہوا ہے۔ یا یوں کہنا شاید زیادہ صحیح ہو کہ جیسی شکایت ہے ویسا ہی شکایت کا لہجہ بھی ہے۔ ان گوناگوں شکایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ خدا نے انسان کے دل میں وہ کیفیت پیدا کی جسے اقبال کبھی "سوز مشتاقی" کہتے ہیں اور کبھی "عشق بلا انگیز۔" خدا نے انسان کو "سوز مشتاقی" اور "عشق بلا انگیز" کی دولت بے پایاں تو عطا کی لیکن اس کی تسکین کے لئے جس ماحول اور فضا کی ضرورت تھی اس سے اسے محروم رکھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس آگ نے نہ جانے کتنے نیستانوں کو خاکستر کیا۔ انسان کو اس

Marfat.com

کا احساس ہے لیکن یہ احساس جرم کا احساس ہرگز نہیں اس لئے کہ انسان اسے اپنی نہیں خدا کی خامی اور کوتاہی سمجھتا ہے اور اس لئے جھجک اور خوف کے بغیر کبھی شکوہ و شکایت کے انداز میں اور کبھی طنز و تشنیع کے لہجے میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالتا ہے۔
(اقبال: شاعر اور فلسفی۔ سید وقار عظیم۔ ص۔ 32_33)

خودی کا تصور اقبال بھی بہت واضح اور مضبوط ہے۔ خادم علی جاوید نے اپنی کتاب (اقبال کا فلسفہ خودی) میں لکھا ہے!

اقبال کی شاعری اور ان کے نصب العین زندگی کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس نقش کو اس کے تاریخی پس منظر کے ساتھ دیکھیں۔ جب افق ہند سے وہ ہلال نمودار ہوا جو ایک دن ملک شعر پر ماہ کامل بن کر چمکنے والا تھا اس وقت عموماً مشرق اور خصوصاً عالم اسلام پر حزن و یاس کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

سب سے برتر حالت ہندوستان کے مسلمانوں کی تھی جہل اور غلامی کی بدولت ان کے دلوں میں زندگی کی آگ سرد پڑ چکی تھی۔ اور جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھئے راکھ کے ڈھیروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ وحدت الوجود کا مسئلہ جس کی طرف علامہ اقبال نے اشارہ کیا ہے یہ ہے کہ وجود حقیقت صرف خالق کائنات کی ذات کا ہے۔ مخلوق جس میں عالم طبعی اور انسان سبھی داخل ہیں محض اعتباری اور موہوم وجود رکھتے ہیں اور اسی ایک نور ایزدی کے پرتو ہیں۔ (اقبال کا فلسفہ خودی۔ ص۔ 10، 12)

اقبال کے نزدیک کائنات کی اصل ایک وجود بسیط ہے جس کے اندر شعور اور ارادے کی قوتیں مضمر ہیں۔ ان قوتوں کو فعل میں لانے کے لئے اس نے آپ کو خود اور غیر خود یا فلسفے کی اصطلاح میں موضوع اور معروض میں تقسیم کر دیا غیر خود کی علت نمائی یہ ہے کہ وہ خودی کے مشاہدے کے لئے آئینے کا اور اس کے عمل ارتقا کے لئے معمول کا کام دے خودی اپنی تکمیل اور استحکام کے لئے غیر خود سے ٹکراتی ہے اور اسی تصادم کے ذریعے سے اس کی اندرونی قوتیں نشوونما پاتی ہیں اور بتدریج سلسلہ ارتقاء کو طے کرتی ہے اس کی ہستی مسلسل حرکت اور عمل پیہم، کشمکش اور کارزار ہے۔ جس نسبت سے کوئی شے اپنی خودی میں مستحکم اور غیر خود پر غالب ہے اسی نسبت سے اس کا درجہ مدارج حیات میں متعین ہوتا ہے۔

Marfat.com

پیکر ہستی ز آثار خودی است
ہرچہ می بینی زاسرار خودی است
خویشتن را چوں خودی بیدار کرد
آشکارا عالم پندار کرد
صد جہاں پوشیدہ اندر ذات او
غیر او پیدا ست از اثبات او
سازد از خود پیکر اغیار را
تا فزاید لذت پیکار را
چوں حیات عالم از زور خودی است
پس بہ قدر استواری زندگی است
چوں زمیں بر ہستی خود محکم است
ماہ پابند طواف پیہم است
ہستی مہر از زمیں محکم ترا است
پس زمیں مسحور چشم خاور است

خودی کے خیال ترقی اس عالم زمان و مکان کی تسخیر پر ختم نہیں ہوتے' شاعر کی چشم تخیل انسان کے جہد و عمل کے لئے اس کے ماورا نئے میدان دیکھتی ہے۔

خودی کی یہ ہے منزلیں اولین
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاک دان سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر
طلسم زمان و مکان توڑ کر
جہان اور بھی ہے ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود

Marfat.com

ہر ایک منظر تیری یلغار کا
تری شوخی فکر و کردار کا
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جانا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

(اقبال کا فلسفہ خودی۔ ص۔ 18-19)

Marfat.com

علامہ محمد اقبالؒ اور امام غزالیؒ

ڈاکٹر صدیق شبلی

علامہ اقبال کا مولانا جلال الدین رومی اور حجتہ الاسلام امام غزالی سے بے پناہ محبت تھی۔ صوفیانہ شاعری اور فلسفہ تصوف میں وہ مولانا جلال الدین رومی کو اپنے استاد مانتے تھے۔ اس طرح وہ فلسفہ امام غزالی سے بھی بہت متاثر تھے۔ ڈاکٹر صدیق شبلی نے اپنے مقالے (اقبال اور غزالی) شائع کردہ شعبہ اقبالیات' پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ 1982ء میں لکھا ہے) امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی ایک بلند پایہ مفکر اسلام تھے۔ انہیں حجتہ الاسلام اور مجدد کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ وہ بڑی پہلو دار شخصیت کے مالک تھے وہ متشکک سے متکلم اور فلسفی سے صوفی بنے اس کے ساتھ ساتھ وہ فقیہ اور مفسر بھی تھے۔ انہوں نے یونانی فلسفی کا رد لکھا اور معرفت الٰہی میں فلسفی کی نارسائی کو ظاہر کیا۔ حقائق کے ادراک میں وجدان اور صوفیانہ ذوق کی اہمیت کو منوایا۔ ڈاکٹر صدیق شبلی آگے چل کر لکھتے ہیں!

غزالی کے ساتھ یورپین محققین کی دلچسپی کا اندازہ ان بے شمار کتابوں سے لگایا جا سکتا ہے جو غزالی کے بارے میں ان کے قلم سے نکلی ہیں۔

حکیم الامت حضرت علامہ اقبال' فکر اسلامی کے تمام سرچشموں سے فیض یاب ہوئے۔ وہ معارف اسلامی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے امام غزالی جیسی عظیم شخصیت کے افکار سے بھی استفادہ کیا۔ ان کی تصانیف میں امام غزالی کا ذکر کافی جگہ آیا ہے۔ حکمائے اسلام میں اقبال غزالی کا بے حد احترام کرتے تھے۔ وہ ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں لیکن اس سے ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں آتی۔ علامہ نے فلسفہ عجم میں غزالی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

Marfat.com

"ان کا شمار ہمیشہ اسلام کی عظیم الشان شخصیتوں میں ہو گا۔
اس متکلم نے جس کی قابلیت نہایت زبردست تھی اپنے فلسفیانہ اسلوب سے ڈیکارٹ کی پیش بینی کی تھی۔ ہیوم نے عقلیت کی گرہ کو جدلیات کی دھار سے کاٹ دیا تھا' لیکن غزالی اس سے بھی پہلے شخص ہیں جنھوں نے فلسفے کا ایک باضابطہ رد لکھا اور راسخ العقیدہ لوگوں پر عقلیت کا جو رعب چھا گیا تھا اس کو کامل طور پر زائل کر دیا۔"

غزالی کے ساتھ اقبال کی ذہنی وابستگی کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ وہ غزالی کے علمی شجرہ نسب سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ ڈاکٹر سید ظفرالحسن کے ایک شاگرد غزالی پر کام کر رہے تھے' انہوں نے علامہ سے غزالی کے بارے میں پوچھا' علامہ نے ان کے استاد کی معرفت انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ M. Smith کی کتاب An Early Mystic of Baghdad کا بھی مطالعہ کریں۔

ڈاکٹر صدیق کے مطابق کہ علامہ اقبال امام محمد بن محمد غزالی کو اپنا ہیرو اور رہنما تصور کرتے تھے اور بہت حد تک ان کی تعلیمات سے متاثر تھے جس طرح غزالی نے حارث محاسی کا اثر قبول کیا اس طرح علامہ اقبال نے بھی غزالی کا اثر فوری طور پر قبول کیا۔ جاوید نامہ میں علامہ اقبال نے غزالی کے ساتھ عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے!

سید السادات سالار عجم
دست او معمار تقدیر امم
تاغزالی درس اللہ ہو گرفت
ذکر و فکر از دودمان او گرفت

علامہ اقبال کو جہاں موقع ملتا ہے وہ حکمائے اسلام کا موازنہ مغرب کے جدید فلسفیوں سے کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صدیق نے اپنے مقالے میں لکھا ہے!

فلسفے نے مذہب کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں جو شکوک و شبہات پیدا کئے تھے غزالی نے اپنی تلقین سے ان کا ازالہ کیا اور مذہب کی صداقتوں پر لوگوں کا ایمان

Marfat.com

بحال کیا۔ غزالی کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اقبال کے اپنے دور میں بھی فلسفہ اور سائنسی علوم مذہب کے جواز کو چیلنج کر رہے تھے اور مذہب اسلام صرف ظاہری رسوم کا ایک مجموعہ بن کے رہ گیا تھا ان حالات میں اقبال کو غزالی اور تلقین غزالی دونوں کا احساس بڑی شدت سے ہوتا ہے اور وہ فرماتے ہیں :

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

اقبال کو اہل مدرسہ سے ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ وہ اسلام کی خدمت صحیح انداز سے نہیں کر رہے۔ غزالی اہل مدرسہ ضرور تھے لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ اہل دل بھی تھے' یہی وجہ ہے کہ وہ ایک فکری انقلاب لانے میں کامیاب رہے۔ اقبال کو اپنے زمانے کے مدرسے اور خانقاہیں اہل دل بزرگوں سے خالی نظر آتی ہیں اسی لئے وہ غزالی جیسے صاحب بصیرت آدمی کی کمی کو بری طرح محسوس کر کے کہتے ہیں :

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم
دل جنید و نگاہ غزالی و رازی

اسی طرح اقبال غزالی کو روحانیت کے بلند درجے پر فائز دیکھتے ہیں اور ان کا شمار عظیم الشان صوفیوں میں کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک اس مرتبے پر فائز ہونے کی وجہ آہ سحر گاہی ہے۔ فرماتے ہیں :

عطار ہو' رومی ہو' رازی ہو' غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

کلام اقبال میں غزالی کا صرف ذکر ہی نہیں ملتا کہیں کہیں ان کے فکر کی جھلک بھی نظر آ جاتی ہے۔ لیکن اس قسم کے سب مقامات کی نشاندہی کرنا آسان نہیں ہے۔ کیونکہ غزالی کی کثیر تصانیف کا مقابلہ اقبال کے اردو فارسی کلام سے کرنا بڑا وقت طلب مسئلہ ہے پھر غزالی ان مفکرین میں بھی شامل نہیں ہیں جن کے اثرات اقبال کی شاعری میں بہت ملتے ہیں۔ اقبال کے شاعری پر غزالی کے اثرات نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ

Marfat.com

غزالی فلسفی تھی شاعر نہ تھے۔

طاقتور اور سخت کوشی کے تصور کو اقبال کے نظام فکر میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ تسخیر کائنات انسان کے مقاصد میں شامل ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان اس مقصد کے حصول کے لئے طاقت بھی فراہم کرے۔ علامہ اقبال طاقت کو صداقت سے زیادہ الوہی چیز تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب طاقت کے بغیر محض فلسفہ ہے اور عصا کے بغیر کلیمی کار بے بنیاد ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے بے شمار لکھے ہیں۔ طاقت کے بارے میں علامہ اقبال نے اسرار خودی میں ایک جگہ لکھا ہے۔

با توانائی صداقت توام است
گر خود آگاہی ہمیں جام جم است

مشہور مستشرق شمل کو اس میں فکر غزالی کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔ غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ضعف اور جھوٹ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ضعف کی فرحت بیشتر علمائے اخلاق نے کی ہے۔ غزالی بھی ان میں شامل ہے لیکن یہ بات قطعیت سے نہیں کہی جا سکتی ہے کہ اقبال نے اس سلسلے میں غزالی کی پیروی کی ہے۔ تاہم دونوں کے ہاں یہ موضوع مشترک ہے۔

موت کے بارے میں ہمارے صوفیہ نے بڑی نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ بقول ڈاکٹر شمل، رابعہ بصری کے بعد آنے والے صوفیہ موت کو انسان کا دشمن نہیں سمجھتے۔ عشق الٰہی سے سرشار یہ لوگ موت کو وصال الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اس لئے وہ موت کے استقبال کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور ان کے ہاں موت کے لئے ایک تڑپ پائی جاتی ہے۔ غزالی نے بھی موت کے بارے میں انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ احیاء العلوم میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"بدون دنیا سے کوچ و مفارقت کے یہ آرزو پوری نہ ہو گی۔ تو چاہئے کہ موت سے محبت رکھے اور اس سے نفرت نہ کرے۔ اس واسطے عاشق کو اپنے وطن سے سفر کرنا اور محبوب کے دیار میں اس کے دیدار سے بہرہ ور جانا گراں نہیں معلوم

Marfat.com

ہوتا اور موت دیدار کی کلید اور مشاہدے میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔"

غزالی نے ایک اور جگہ فرشتہ موت اور حضرت ابراہیم کی حکایت لکھی ہے۔ ابراہیم فرشتے سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ ایک محبوب اپنے عاشق کی جان لے رہا ہے؟ اس کا جواب ابراہیم کو خدا کی طرف سے ایک سوال کی صورت میں آیا کہ کیا تم نے کوئی عاشق ایسا دیکھا ہے جو اپنے محبوب کے حضور میں آنے سے کتراتا ہو؟ اس پر حضرت ابراہیم نے فرشتے سے کہا کہ اب تم میری جان لے لو۔ غزالی کے ان دو اقتباسات میں موت کے بارے میں جو نقطہ نظر پیش کیا گیا اسلام کی صوفیانہ روایات میں اس کا ذکر بطور خاص ملتا ہے موت کے بارے میں صوفیاء کے اس رویے سے اقبال بھی متاثر ہے وہ بھی موت کو کوئی خوفناک چیز تصور نہیں کرتا۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام ہے

چونکہ موت ابدی زندگی کی کلید ہے اس لئے مومن اس سے گھبراتا نہیں بلکہ خندہ پیشانی سے اس کا سامنا کرتا ہے۔

مسلمان صوفیاء میں منصور حلاج کی شخصیت بڑی متنازعہ رہی ہے۔ ان کا نعرہ اناالحق انہیں تختہ دار تک لے گیا لیکن یہ نعرہ ابھی تک توضیح طلب ہے اس کی مختلف تاویلیں کی گئی ہیں۔ غزالی نے مشکواۃ الانوار میں حلاج کو یہ رعایت دی ہے کہ وہ تجلی الٰہی کو دیکھ کر اناالحق کہنے پر مجبور ہوا۔ ڈاکٹر شمل کے بقول غزالی حلاج کی دعائیں اور اقوال اپنی تصانیف میں لکھتے ہیں لیکن وہ حلاج کے نام کا حوالہ نہیں دیتے۔ اقبال بھی غزالی کی طرح حلاج کو زیادہ رعایت دیتے ہیں۔ حلاج کی کتاب طواسین اقبال کی محبوب کتابوں میں شامل تھی۔ اقبال نے حلاج کے افکار سے استفادہ کیا ہے۔ جاوید نامہ میں حلاج کا ذکر خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ اقبال نے بھی اناالحق کی تعبیر اپنے نقطہ نظر

Marfat.com

سے کی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اب فرد کی بجائے یہ نعرہ ملت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔
ارمغان حجاز میں علامہ نے اس موضوع پر اس طرح لکھا ہے:

انا الحق جز مقام کبریا نیست
سزائے او چلیپا ہست یا نیست
اگر فردی بگوید سرزنش بہ
اگر قومے بگوید ناروا نیست

کم بگو زاں خواجہ اہل فراق
تشنہ کام و از ازل خونیں ایاق
ما جہول او عارف بود و نبود
کار او این راز را ہر ما کشود
از فتادن لذت برخاستن
عیش افزودن ز درد کاستن
عاشقی در نار او واسوختن
سوختن بے نار او واسوختن
زانکہ او در عشق و خدمت اقدام است
آدم از اسرار او نا محرم است
چاک کن پیراہن تقلید را
تا بیاموزی ازو توحید را

آخری شعر تو غزالی ہی کی بات کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔
علامہ اقبال نے اپنے خطبات اور شاعری میں تقدیر کے مسئلے پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ وہ مسلمانوں کی تقدیر پرستی کے بہت خلاف ہیں جس وجہ سے وہ تن بہ تقدیر ہو کر قوت عمل سے محروم ہو گئے۔ اگر انسان چاہے تو اس کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ جاوید نامہ میں تقدیر کے بارے میں علامہ کے یہ اشعار توجہ طلب ہیں:

گرز یک تقدیر خون گردد جگر

Marfat.com

خواہ از حق حکم تقدیر دگر
تو اگر تقدیر نو خواہی رواست
زانکہ تقدیرات او لا انتہا است

غزالی کے ہاں بھی کم و بیش تقدیر کا یہی تصور ہے غزالی نے خدا کے بارے میں کہا ہے کہ نہ مقدرات کی حد ہے نہ معلومات کا کوئی آخری کنارہ۔

صوفیانہ کتب میں یقین کے بارے میں بہت سے مباحث ملتے ہیں۔ مسلمان صوفیاء میں غزالی کی اس سلسلے میں بڑی اہمیت ہے کہ وہ خود شک سے یقین کے مرحلوں میں جس طرح سے گزرے انہوں نے اس کی پوری رو داد قلم بند کی ہے۔ اس لئے ان کی تصانیف میں یقین کا بیان بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ انہوں نے حصول یقین اور تقویت یقین کی خاص تلقین کی ہے۔

یقین کی حقیقت اور اس کے مقامات کا ذکر کیا ہے۔ یقین کی اقسام اور متعلقات سے بحث کی ہے۔ یقین کا موضوع اقبال کو بھی بہت عزیز ہے۔ ان کی شاعری میں یقین کے بارے میں بہت سے اشعار ملتے ہیں۔ غزالی نے یقین کے فلسفیانہ پہلو سے بحث کی ہے اور اقبال نے یقین کو جس دلنشین شاعرانہ انداز میں پیش کیا ہے اس کی مثال کسی اور شاعر کے ہاں نہیں ملتی۔ وہ مرد مومن کے یقین کو اتنی اہمیت دیتے ہیں:

نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

غزالی اور اقبال دونوں کے ہاں یقین کے مضمون پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

علامہ اقبال ایک فلسفی شاعر تھے اور ان کے افکار ان کی شاعری میں بکھرے پڑے ہیں لیکن ان کے خطبات کے مجموعے "تشکیل الٰعیات جدید" میں ان کے فلسفیانہ افکار ایک منظم شکل میں ملتے ہیں۔ کلام اقبال کے مقابلے میں ان کے خطبات میں فکر غزالی کی بازگشت زیادہ سنائی دیتی ہے۔ "احیائے فکر دینی در اسلام" کے نام سے خطبات کا فارسی ترجمہ ہو گیا ہے اور اس نام سے ذہن فوراً غزالی کی احیاء العلوم کی طرف جاتا ہے۔ یہ محض نام کے فارسی ترجمے کی وجہ سے نہیں ہے' ان خطبات کا انگریزی نام

Marfat.com

تجویز کرتے وقت خود اقبال کا ذہن احیاء العلوم سے متاثر نظر آتا ہے۔ "احیائے فکر دینی در اسلام" کے مقدمے میں ایران کے ممتاز فلسفی ڈاکٹر سید حسین نصر نے اسی بات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے:

> "کتاب کے عنوان اور اس کے مطالب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال ایک ایسی کتاب لکھنا چاہتے تھے جو غزالی کی احیاء العلوم کی طرح اسلام کے دینی تفکر میں ایک نیا باب کھول دے اور یہ کتاب لکھتے وقت غزالی کی عظیم تصنیف (احیاء العلوم) یقیناً اقبال کے پیش نظر رہی ہو گی۔"

اسی بات کی تائید ڈاکٹر شمل نے اس طرح کی ہے:

> "وہ (علامہ اقبال) اسلامی الٰعیات کی تشکیل از سر نو کرنا چاہتے تھے۔ کتاب کے نام میں احیاء العلوم کی طرف اشارہ ملتا ہے۔"

اقبال نے خطبات کے مقدمے میں اس بات کا خود بھی اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے خطبات میں اسلام کی فکری روایات اور جدید علوم کی ترقی کو پیش نظر رکھتے ہوئے فلسفہ دین اسلام کے احیاء اور تشکیل نو کی کوشش کی ہے اور اسلام کی شاندار فکری روایات میں غزالی کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ غزالی مذہب کو فلسفہ و مابعد الطبعیات سے الگ ایک مستقل مقام دلانا چاہتے تھے۔ جدید عہد میں کم و بیش یہی مقصد اقبال کے پیش نظر بھی تھا۔

خطبات کے مقابلے میں غزالی کی احیاء العلوم بڑی ضخیم کتاب ہے۔ چار جلدوں اور بڑے سائز کے پندرہ سو صفحات پر پھیلا ہوا غزالی کا یہ قلمی کارنامہ کتاب کے بجائے ایک کتاب خانہ معلوم ہوتا ہے جس میں عقاید' عبادات اور منجیات کا بیان بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اقبال کے سات خطبوں پر مشتمل تشکیل الٰعیات ایک بے حد مختصر کتاب ہے۔

1- علم اور روحانی حال۔

2- مذہبی وجدان۔

Marfat.com

3- تصور باری تعالیٰ اور دعا کا مفہوم۔
4- نفس انسانی۔ مسئلہ اختیار و بقاء۔
5- اسلامی ثقافت کی روح۔
6- اسلام کی تعبیر میں اصول حرکت۔
7- روحانی وجدان کی حقیقت کا امکان۔

اقبال نے مسائل کے بیان میں بڑے اختصار سے کام لیا ہے۔ ان موضوعات کے ذیل میں اقبال نے جو مطالب بیان کئے ہیں ان میں سے بعض کا ذکر احیاء العلوم میں بھی مل جاتا ہے لیکن اقبال کا بیان زیادہ فلسفیانہ ہے اور غزالی کا انداز توضیحی ہے۔ اقبال نے اسلامی تعلیمات کو نئی اصطلاحات میں بیان کرنے اور یورپی فلسفیوں سے ان کا مقابلہ کرنے پر زیادہ زور صرف کیا ہے لیکن انہوں نے اپنے بنیادی دلائل حکماء اسلام ہی سے لئے ہیں اور غزالی ان حکماء میں خاصے ممتاز ہیں۔

غزالی اور اقبال کی ایک مشترک خصوصیت فلسفے اور خصوصاً فلسفہ یونان کی جانب ان کا رویہ ہے۔ غزالی نے فلسفے کا مطالعہ مذہبی نقطہ نظر سے کیا۔ وہ طبعیات کے چند مسائل اور الٰعیات کے سوا فلسفے کی باقی شاخوں یعنی ریاضیات' سیاسیات اور اخلاقیات وغیرہ کو خلاف مذہب نہیں سمجھتے انہوں نے فلسفے کی تردید کے لئے 20 مسائل کا انتخاب کیا جن میں سترہ مسئلے الٰعیات اور تین طبعیات کے ہیں۔ غزالی کی تہافتہ الفلاسفہ نے مشرق میں فلسفہ یونان پر کاری ضرب لگائی۔ علامہ اقبال نے بھی اسلامی نقطہ نظر سے یونانی فلسفے کا جائزہ لیا اور اسلام میں اس کی اشاعت کے مضر نتائج کی نشاندہی کی ہے۔ علامہ کے نزدیک یونانی فلسفہ کے اثر نے متکلمین کی قرآنی بصیرت کو نقصان پہنچایا۔ قرآن مسلمانوں کو نفس اور آفاق دونوں کے مطالعے کی تلقین کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ جمادات اور نباتات' نجوم و شمس سب پر گہری نظر ڈالو لیکن یونانی فلسفے کا ایک بڑا امام سقراط کہتا ہے کہ انسان کے لئے فقط انسانی زندگی ہی کا مطالعہ کافی ہے۔ یونانی الٰعیات میں محسوسات کے مقابلے میں غیر مری حقائق کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ فلسفہ یونان کائنات کو ازلی اور اس کے حقائق کو ناقابل تغیر سمجھا جاتا تھا جبکہ قرآن مجید کا نظریہ "سکون وجود" کے مقابلے میں حرکت حیات کا نظریہ ہے علامہ اقبال کی رائے

Marfat.com

میں یونانی فلسفے کے مسلمان شارحین نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ اس کو نقصان پہنچایا۔

علامہ اقبال نے بار بار کہا ہے کہ حکمت یونانی روح قرآن سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

فکر افلاطون زیاں را سود گفت
حکمت او بود را نابود گفت
فطرتش خوابید و خوابے آفرید
چشم ہوش او سرابے آفرید
بسکہ از ذوق عمل محروم بود
جان اور وارفتہ معدوم بود
منکر ہنگامہ موجود گشت
خالق اعیان نا مشہود گشت

فلسفہ یونان کی مخالفت میں اقبال اور غزالی دونوں ہی کا لہجہ بڑا سخت ہے۔

غزالی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہب کو سائنس اور مابعدالطبعیات دونوں سے آزاد کر دیا۔ غزالی نے صوفیانہ وجدان اور تجربے میں پناہ ڈھونڈ کر مذہب کے لئے عقلیت سے ہٹ کر ایک اساس ڈھونڈ لی۔ روحانی تجربے میں غزالی پر ایک نامحدود ہستی مطلق کا انکشاف ہوا اور انہیں یہ اندازہ ہوا کہ عقل ایک محدود اور بے نتیجہ چیز ہے۔ اقبال مذہبی تجربے میں وجدان کی اہمیت پر غزالی سے متفق ہیں لیکن انہیں غزالی کے بیان کردہ وجدان کی تعریف سے اتفاق نہیں اور ان کے نزدیک فکر و وجدان میں کوئی بنیادی تضاد نہیں ہے بلکہ وجدان بھی علم کا ایک ایسا ہی ذریعہ ہے جیسے حواس ہیں۔ اقبال نے اس طرح وجدان کو معروضی اور قابل آزمائش قرار دے کر اس کے اعتبار میں اضافہ کیا ہے۔ دراصل اقبال ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب نفسیات کے میدان میں تحقیق و ترقی کا سلسلہ کافی آگے بڑھ چکا تھا' مذہب کے نفسیاتی کے پہلو پر بڑا کام ہو رہا تھا۔ ان تحقیقات کی روشنی میں مذہبی واردات یا باطنی واردات

Marfat.com

کی وضاحت میں اقبال کو بڑی مدد ملی۔

غزالی اشاعرہ کے عقیدہ کے مطابق روح کو ایک قابل تقسیم جوہر بسیط قرار دیتے ہیں جو خود تغیر پذیر نہیں مگر تمام تغیرات و ادراکات کا شاہد ہے۔ شعور کی کیفیت اس جوہر روح کے ساتھ بطور عرض ایک نسبت رکھتی ہیں۔ احوال شور اسی روح کی وحدت کی وجہ سے ایک رشتے میں منسلک ہو جاتے ہیں لیکن جوہر روح ان احوال سے متاثر نہیں ہوتا علامہ اقبال فرماتے ہیں:

> "میں اس مرکز وحدت کو تجربات شعور سے الگ تھلگ غیر متغیر جوہر نہیں سمجھتا اور ادراکات کی کبریات انا کی وحدت کا عمل ہے۔ نہ انا ان تجربات سے الگ ہو کر قائم رہ سکتا ہے اور نہ شعوری کیفیت انا سے بے تعلق ہو سکتی ہے۔ ادراک مشیت اور ہر شعوری کیفیت میں انا ہی عامل ہے نفس اور ماحول میں ایک مسلسل کشاکش رہتی ہے۔ نفس ہی تمام کیفیات میں ایک حاوی اور ناظم قوت ہے۔"

علامہ اقبال غزالی اور ان کے ہم خیال متکلمین سے بقائے روح' زمان و مکان اور مادے کے مسائل پر بھی متفق نہیں ہیں۔ ان تمام مسائل پر انہوں نے جدید تحقیقات کی روشنی میں بحث کر کے نتائج اخذ کئے ہیں۔

اقبال اور غزالی کے مطالعے سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مذہبی تفکر کے جس کام کا آغاز غزالی نے کیا تھا اقبال نے اس کو آگے بڑھایا اور غزالی کے بعض نظریات کو بہتر بنا گئے۔ اقبال نے غزالی کے کام کی ایک طرح سے تکمیل کی ہے۔

حوالہ جات

1- تاریخ فلسفہ (انگریزی) از لیوس جلد دوم ص: 5 (منقول از فلسفہ عجم صفحہ: 103)

2- فلسفہ عجم از علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مترجمہ میر حسن الدین ص: 104-103

3- اقبالنامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ جلد اول ص: 65

4- سہ ماہی اقبال ریویو کراچی جنوری 1969ء مقالہ ڈاکٹر محمد ریاض ص: 72

Marfat.com

4a- جاوید نامہ : 158

5- منقول از :

Number, suppl vi A. Bausani O.c.p. 287. Gabriel's Wing by A. Schimmell.

6- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان مرحوم مطبوعہ بزم اقبال' ص 6

7- کلیات اقبال اردو بانگ درا' ص 203

8- ایضاً : ارمغان حجاز' ص 43

9- ایضاً : بال جبریل' ص 348

10- کلیات اقبال (فارسی) اسرار خودی' ص 50

11- احیاء العلوم الدین غزالی جزو چہارم باب : الحیلا' Gabriel's Wing:127.

12- مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم الدین جلد چہارم ص' 438

13- احیاء العلوم جزو چہارم باب دہم منقول از Gabriel's Wing:275

14- کلیات اقبال اردو بانگ درا 254

15- ایضاً : 233

16- کلیات اقبال (فارسی) ارمغان حجاز : 116

17- منقول از :

Iqbal Edited by Hafeez Malik published by Columbia University Press New York p : 322.

18- کلیات اقبال (فارسی) ارمغان حجاز ص : 70

19- اقبال (انگریزی) مرتبہ حفیظ ملک ص : 322

20- کلیات اقبال (فارسی) جاوید نامہ ص : 133

21- ایضاً ص : 107

22- افکار غزالی مرتبہ مولانا محمد حنیف ندوی ص : 303

23- کلیات اقبال اردو بال جبریل' ص

24- احیائے فکر دینی در اسلام (فارسی) مقدمہ از دکتر حسین نصر ص : ہفت مطبوعہ

Marfat.com

موسسہ فرہنگی منطقہ نو تہران۔

-25 Gabriel's Wing : 50

-26 احیائے فکر دینی در اسلام دیباچہ ص 1

-27 فکر اقبال از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ص 280

-28 کلیات اقبال فارسی اسرار خودی ص 33

-29 فکر اقبال ص 681

-30 ایضاً : ص 740

(مقالات جشن اقبال صدی مرتبہ پروفیسر محمد منور مرحوم شعبہ اقبالیات پنجاب یونیورسٹی لاہور 1982)

Marfat.com

گیارھواں باب

اقبال اور رومی کی نظر میں انسان کامل کا تصور

مولانا جلال الدین رومی اقبال کے مرشد ہیں۔ جنہیں وہ پیر رومی اور اپنے آپ کو مرید (ہندی) کہہ کر پکارتے ہیں۔ اقبال اپنی کتاب مثنوی "اسرار و رموز" میں دعویٰ کرتے ہیں کہ پیر رومی نے میری مٹی کو اکسیر بنا دیا ہے۔ اور میرے حقیر گرد و غبار کو ایک آب و تاب عطا کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رومی نے اقبال کی معنوی تعلیمات پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ جب ہم رومی اور اقبال کا ایک ساتھ مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کے بارے میں یک جان دو قالب کا احساس ہوتا ہے۔ ترکی میں 255 سے زائد شعراء ایسے ہیں جو مرشد اعظم رومی کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر اقبال کی بصیرت تازہ ترین معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رومی کی مثنوی نے اقبال کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ عظیم فارسی شاعر عبدالرحمٰن جامی مرشد اعظم رومی کی مثنوی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

مثنوی معنوی مولوی
ہست قرآن در زبان پہلوی

اور ان کا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے۔ بنا بر ایں اقبال کی بیشتر تعلیمات بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ قرآن پر مبنی ہیں۔ قرآن کا مرکزی موضوع کامل یا مرد مومن ہے اور حضرت محمدؐ انسان کامل کا اولین نمونہ ہیں آپ نے اپنی پوری زندگی بلا تفریق رنگ و نسل انسانیت کی بھلائی کے لئے وقف کر دی اور سیرت و کردار کی منفرد مثال پیش کرنے کی خاطر حق سبحانہ کے عشق میں اپنی انا اور خود خواہی کو فنا کر دیا۔ مثنوی کا مقصود اسی نوع کے کردار کی تخلیق ہے۔ اسی لئے اقبال اور رومی کی تعلیمات انسان کو پست ترین مقام

Marfat.com

سے بتدریج اس بلند ترین مقام پر فائز کرنے کے لئے رہنمائی فراہم کرتی ہیں کہ جہاں وہ بالآخر صفات خداوندی کے سمندر میں غرقاب ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ مرتبہ کمال ہے۔ جہاں انسان کا تکمیل ہوتی ہے۔ اور اسے مشیت الٰہی کا ادراک ہوتا ہے۔ یہاں خدا بندے سے محبت کرتا ہے۔ اور بندہ خدا سے راضی ہوتا ہے۔ فانی قیود' دنیوی پریشانیاں اور تقدیر سب غائب اور نابود ہو جاتی ہیں۔

جیسا کہ اقبال فرماتے ہیں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

انسان کامل کے اس معنوی کمال تک رسائی کے لئے درج ذیل مدارج سے گزرنا ضروری ہے۔

1- دنیوی لالچ سے رہائی۔

الف۔ اپنے آپ کو آزاد کیجئے۔

بند بگسل باش آزادی پیر
چند باشی بند سیم و بند زر
گر بریزی بحر راہ در کوزہ
چند گنجد قسمت یک روزہ

ترجمہ: اے فرزند بندھنوں کو توڑ ڈالو۔ اپنے آپ کو آزاد کرو۔ کب تک سونے چاندی کی زنجیروں میں جکڑے رہو گے۔ اگر تم سمندر کو ایک پیالہ میں ڈالنا چاہتے ہو تو اس میں ایک روز سے زیادہ ضرورت تک کہاں سما سکے گا۔ (مثنوی 1' ص' 19-20)

ب۔ اس دنیا کی بیداری درحقیقت خواب گراں ہے۔

ہر کہ بیدار است او در خواب تر
ہست بیداریش از خوابش بتر
چون بحق بیدار نبود جان ما

Marfat.com

ہست بیداری چودر بندان ما

ترجمہ : اس دنیا میں جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ بیدار تصور کرتا ہے۔ درحقیقت سب سے زیادہ غافل ہے۔ اس کی بیداری نیند اور عقلیت سے بدتر ہے۔ جب تک ہماری روح خداوند متعال کی حضوری سے آگاہ نہیں ہوتی۔ تب تک ہماری بیداری مفید اور جوہر فعل سے عاری ہوتی ہے۔ (مثنوی 1' ص۔ 419-420)

اقبال اس پر اضافہ کرتے ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

حقیقی بیداری کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے باطن اور اپنی حقیقت کو دریافت کر لے جو عطیہ خداوندی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں خداوند متعال نے روح کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ میں نے (انسان) میں اپنی روح پھونکی یہ روح اس کی امانت ہے۔ جسے انسان خداوند متعال کی جانب سے اپنے ذمے لیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

بلاشبہ ہم نے امانت کو زمین پر آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر انہوں نے ڈر کے مارے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا۔ وہ بلاشبہ (اس امانت کے تعلق میں) ظالم اور نادان چلا آ رہا ہے۔ اس لئے انسان کے اندر خداوند متعال کی روح ہے۔ مگر وہ برابر اس حقیقت کو نظرانداز کرتا رہا ہے۔ (33-72)

تن ز جان و جان دستور نیست
لیک کس رادید جان دستور نیست

ترجمہ : روح اور بدن کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔ مگر کسی کو روح کو دیکھنے کی اجازت نہیں۔ انسانی جسم مٹی یعنی معدنیات سے بنا ہے۔ اور زمین اسے اپنی جانب جذب کرتی ہے۔ اس لئے کہ یہ زمین کا جزو ہے۔ اور خدا کی روح اسے بلندی (خدا کی جانب) کھینچتی ہے۔

Marfat.com

جیسا کہ رومی یاد دلاتے ہیں۔

ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

ترجمہ: جب کوئی چیز اپنی اصل سے جدا ہو جاتی ہے۔ تو دوبارہ اپنی اصل و اساس کی جانب بازگشت کے لئے بے چین رہتی ہے۔

رومی اس حقیقت کی درج ذیل تمثیل سے توجیہ کرتے ہیں۔

ایک روز مجنوں نے اپنی محبوبہ لیلیٰ سے ملنے کا عزم کیا اور ایک اونٹ پر سوار ہو گیا جلد ہی مجنوں لیلیٰ کے تصورات میں کھو گیا۔ اونٹ بھی اپنے وطن میں' جہاں سے سفر کا آغاز ہوا تھا۔ ایک محبوبہ رکھتا تھا۔ جونہی اونٹ نے اپنے مالک کو سوتا پایا۔ اپنی محبوبہ کی طرف لوٹ آیا۔ اور دو تین مرتبہ اس نے ایسا ہی کیا۔ بالآخر مجنوں نے کہا۔ بہت خوب۔ دوست تم اپنی محبوبہ کے پاس جاؤ۔ میں اپنی محبوبہ کی طرف سدھارتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر وہ پا پیادہ چل دیا۔ اس تمثیل میں اونٹ سے مراد جسم اور مجنوں سے مراد روح ہے۔ جسم اور روح کے درمیان کشمکش رہتی ہے۔ اور دونوں اپنی اپنی اصل و اساس کی جانب بازگشت کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ مٹی' مٹی کی جانب۔ اور روح' روح کی جانب۔ دنیا کا متوالا انسان اپنے جسم عنصری کی محبت میں غرق رہتا ہے۔

چون چنین کش میکشا بیرون کرم
می گریزد او پس سوی شکم
کہ اگر بیرون ختم زین شہر و کام
ای عجب بینم بدیدہ این مقام

ترجمہ: جب خدا کی رحمت جنس کو شکم مادر سے اس دنیا میں لانے کے لئے کھینچتی ہے۔ تو وہ بار بار شکم مادر میں واپس جانے کے لئے زور لگاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے پسندیدہ مستقر کو کھونا نہیں چاہتا۔ اور خیال کرتا ہے کہ اسے حقیقی رہائی نصیب نہیں ہو گی۔ (مثنوی_ 3' بیت 2964-3966)

انسان کامل زیادہ سے زیادہ خدا کی جانب بڑھتا ہے۔ وہ جسمانی اعتبار سے تو اس

Marfat.com

دنیا کا مکین ہوتا ہے۔ مگر اس کی روح خدا کے قرب میں ہوتی ہے۔

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے، مگر خاک سے آزاد ہے مومن

یہ مادی دنیا انسان کامل کو فریب دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جونہی انسان خدا کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ شیطانی طاقتیں اس کا راستہ روکنے کے لئے فعال ہو جاتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دنیوی رعنائیاں اس کے معنوی ارتقاء میں حائل ہوتی ہیں۔ رومی اور اقبال انسان کو ان داموں میں اسیر ہونے سے متنبہ کرتے ہیں۔

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
گر ز صورت بگریزید ای دوستان
جنست و گلستان در گلستان

ترجمہ: اگر مسلمان ان شکوک اور فریبوں سے آگے نکل گئے تو گلستان در گلستان آپ کا استقبال کریں گے۔

اگر منزل کو پانے کا ارادہ ہے تو رہگزر سے چپکنا ہرگز عاقلانہ طرز عمل نہ ہو گا۔ انسان کامل عارضی کشش اور دل فریب سے محفوظ رہنے کے لئے علم الٰہی سے استفادہ کرتا ہے۔ (مثنوی 3- ص- 578)

شاہین کی سی پرواز کے لئے ان چار پرندوں کو قتل کرنا لازمی ہے۔ جیسا کہ رومی تجویز کرتے ہیں۔

اپنے جاودانی رزق کے لئے ان چار پرندوں کے سر قلم کر دو، بطخ تمہارا طمع اور کوا تمہاری انا ہے۔ مرغ تمہاری نفسانی خواہش ہے۔ اور مور تمہاری ظاہری چمک دمک (مثنوی 5- ص- 42، 44)

توصیفات رومی اقبالؒ

ہم ذیل میں علامہ اقبال کی کتب سے توصیفات رومی کے چند نمونے نقل کریں

Marfat.com

گے تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ توصیفات کس نوعیت کی ہیں!

جان او از شعلہ ہا سرمایہ دار
من فروغ یک نفس مثل شرار
شمع سوزان تاخت بر پروانہ ام
بادہ شبخون ریخت بر پیمانہ ام
پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد
ذرہ از خاک بیابان رخت بست
تا شعاع آفتاب آرد بدست
موجم و در بحر او منزل کنم
تا در تابندہ حاصل کنم
من کہ مستی ہا زصہبایش کنم
زندگانی از نفسہایش کنم
شب دل من مائل فریاد بود
خامشی از یاربم آباد بود
شکوہ آشوب غم دوران بدم
از تہی پیمانگی نالان بدم
این قدر نظارہ ام بیتاب شد
بال و پر بشکست و آخر خواب شد
رومی خود بنمود پیر حق سرشت
کو بحرف پہلوی قرآن نوشت
گفت ای دیوانہ ارباب عشق
جرعہ ای گیر از شراب ناب عشق
مرشد رومی حکیم پاکزاد
سر مرگ و زندگی بر ما کشاد

Marfat.com

مرشد رومی چه خوش فرموده است
آنکه یم در قطره اش آسوده است
مطرب غزلی بیتی از مرشد روم آور
تا غوطه زند جانم در آتش تبریزی
گفت رومی هر بنای کهنه کآبادان کنند
می ندانی اول آن بنیاد را ویران کنند
راز معنی مرشد رومی گشود
فکر من بر آستانش در سجود
روح رومی پرده ها رابر درید
از پس که پاره آمد پدید
طلعتش رخشنده مثل آفتاب
شیب او فرخنده چون عهد شباب
پیکر روشن زنور سرمدی
در سراپایش سرور سرمدی
بر لب او سر پنهان وجود
بندهای حرف و صورت از خود گشود
حرف او آئینه ای آویخته
عشق با سوز درون آمیخته ــــ
پیر رومی را رفیق راه ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکه رومی مغز را داند ز پوست
پای او محکم فتد در کوی دوست
شرح او کردند و او را کس ندید
معنی او چون غزال از ما رمید
رقص تن در گردش آرد خاک را

Marfat.com

رقص جان برہم زند افلاک را
رقص جان آموختن کاری بود
غیر حق را سوختن کاری بود
علم و حکم از رقص جان آید بدست
ہم زمین ہم آسمان آید بدست
فرد از وی صاحب جذب کلیم
ملت از وی وارث ملک عظیم

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب' ایک کلیم سر بکف
علاج آتش رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

(اقبال اور فارسی شعراء- ص- 107-109)

مولانا جلال الدین رومی صوفی تھے جبکہ علامہ اقبال کے اشعار میں صوفیانہ رنگ ضروری ہے مگر وہ تصوف کے کسی خاص گروہ سے تعلق نہ رکھتے تھے- رومی شمس تبریز کے مرید بن گئے تھے جبکہ اقبال کسی کا مرید خاص نہ تھا-
جبکہ اقبال فرماتے ہیں:

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

Marfat.com

حکیم سنائی بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

جان بکی برون کنیم زتن
خویشتن جان شاہباز کنیم

ترجمہ: ہمیں تیتر ایسی نازک و ناپائیدار روح کو نکال باہر کرنا چاہئے۔ اور اپنے آپ کو شہباز کی روح بنانا چاہئے۔

2- جدوجہد اور رزق لاہوتی

ہر کہ کاہ وجو خورد قربان شود
ہر کہ نور حق خورد قرآن شود

ترجمہ: جو گھاس پھوس (حیوانوں کی خوراک) کھائے گا۔ اسے تو حیوانوں کی طرح چھری کے نیچے آنا ہی ہو گا۔ اور جو قالب نور حق کا ظرف بنے گا قرآن بن جائے گا۔ (مثنوی 5' بیت 2478)

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

3- عشق اور عمل

جب انسان کا دل عشق الٰہی سے لبریز ہو جاتا ہے تو!

گر ہزاران دام بات در قدم
چون تو بلائی نباشد ہیچ غم

(اقبال اور رومی کی نظر میں انسان کامل کا تصور۔ ص۔ 145)

مولانا جلال الدین رومی کے ساتھ علامہ اقبال کے ذہنی وابستگی کا اندازہ ان کے اشعار اور ان میں ذکر رومی سے لگایا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال رومی کا معتقد اور اسے اپنا استاد مانتا تھا۔

ڈاکٹر محمد ریاض نے اپنی کتاب (اقبال اور فارسی شعرا) میں لکھا ہے کہ مولانا جلال

Marfat.com

الدین رومی اور ان کی مثنوی مطالعہ اقبال کے ضمن کی اہم کڑیاں ہیں۔ معاشیات کے موضوع پر اقبال کی تالیف علم الاقتصاد کے سوا ان کی کوئی منثور یا منظوم کتاب ذکر رومی سے خالی نہیں ہے۔

اقبال برملا اور بار بار رومی کے فیضان کا ذکر کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو ان کا معنوی مرید قرار دیتے ہیں۔ رومی کو انہوں نے پیر حق سرشت' مرشد روم' مرشد رومی اور پیر روم وغیرہ کے القاب کے ساتھ یاد فرمایا اور ان کے ساتھ غیر معمولی ارادت دکھائی ہے۔ دیوان کبیر (دیوان شمس تبریزی) کی متعدد غزلیات مثنوی کے وزن میں ہیں اسی لئے اپنے ایک مکتوب مورخہ 3 اپریل 1919ء میں اقبال مصرع زیر کے بارے میں پوچھتے نظر آتے ہیں کہ مثنوی کے کس دفتر کا ہے۔

ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام

اقبال فرماتے ہیں کہ اس وقت تک انہوں نے پوری مثنوی کا مطالعہ نہیں کیا۔ اس دور میں اقبال کی توصیفات و توجیہات نے لوگوں کو رومی کا زیادہ گرویدہ بنایا ہے۔ اقبال کی پناہ عقیدت رومی اس امر سے ہویدا ہے کہ انہوں نے مثنوی اسرار رموز کے بعض قوافی بتقلید رومی کمزور رکھے تھے' اس کے علاوہ کئی مواقع پر وہ اپنی معانی آفرینی کا سہرا بااصرار رومی کے سر باندھتے رہتے ہیں۔ شمس الدین افلاکی کے علاوہ خواجہ محمد یار شاہ نقشبندی اور کئی دیگر حضرات نے رومی کے مناقب لکھے مگر درحقیقت اقبال کی توصیفات کا پلہ سب پر بھاری ہے۔ (اقبال اور فارسی شعراء۔ 101' 102' 103)

Marfat.com

بارہواں باب

حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ

آپ امام عصر اور فرید الدہر تھے۔ آپ کو تابعی ہونے کا فخر تھا۔ بعض آپ کی کنیت ابو محمد لکھتے ہیں اور بعض ابو سعید۔ علم معاملت میں آپ لطیف الاشاوہ ہوئے ہیں۔ آپ کے والد کا نام سیار تھا۔ جو غلام تھے۔ آپ کی والدہ حرم نبوت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیز تھی۔ 521 میں پیدا ہوئے۔ جب آپ کی والدہ کسی کام میں معروف ہوتیں اور آپ روتے تو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ گود میں لے کر بہلاتیں۔ بعض دفعہ پستان مبارک بھی منہ میں ڈال دیتیں۔ چنانچہ فرصت محبت سے ام المومنین کے پستانوں میں دودھ اتر آیا تھا۔ آپ کی تمام سعادت اسی مبارک دودھ کی وجہ سے ہے۔ نیز حضرت محمدؐ کے پیالے سے پانی پلاتیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ بارہ برس کی عمر میں حافظ قرآن اور بعدازاں تفسیر حدیث اور فقہ کے بڑے امام ہو گئے۔

آپ کا نام عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسن رکھا تھا۔ کیونکہ آپ بیحد خوبصورت تھے۔ آپ نے 133 صحابہ کرام کی زیارت کی۔ جن میں 70 اصحاب بدر تھے۔ رسول پاکؐ کی اتباع اس قدر کی کہ آپ مشابہ بالتمام رسول پاکؐ تھے۔ آپ نے جوہریوں کا کام بصرہ میں کر رکھا تھا۔ جب ریاضت میں مشغول ہوئے تو ستر سال کسی نے آپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ بہت رویا کرتے تھے۔ ایک رات اپنے گھر میں رو رہے تھے۔ کسی نے رونے کا سبب پوچھا۔ اور کہا۔ آپ تو بڑے پرہیز گار ہیں۔ جواب دیا اس لئے روتا ہوں کہ شاید بے علمی سے یا بے ارادہ کوئی کام مجھ سے ہو گیا ہو یا غلطی سے کوئی قدم نامناسب مقام پر رکھ دیا ہو۔ اور میرا یہ فعل خدا کو ناپسند ہو ہم میں سے کس طرح نڈر ہو جائے۔ کیونکہ زیادہ تر نفی اثبات کا ذکر کرتے تھے۔ اور مریدوں کو فرماتے

Marfat.com

تھے۔ جو شخص لا الا الا اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا محب بن جاتا ہے۔ اور جو کچھ چاہتا ہے۔ پالیتا ہے۔ آپ ہفتے میں صرف ایک دفعہ واعظ کہتے تھے۔ سامعین کی کثرت سے خوش نہ ہوتے تھے۔ بلکہ کسی درویش صاحب دل کی موجودگی سے بہت خوش ہوتے۔ رابعہ بصریہ اگر واعظ میں موجود نہ ہوتیں تو واعظ نہ کہتے۔ ایک دفعہ حجاج لشکر سمیت تلواریں سونتے ہوئے مجلس واعظ میں آگیا۔ اور بیٹھ گیا آپ اس کی طرف ذرہ بھر بھی متوجہ نہ ہوئے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو حجاج نے آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اور لوگوں کو کہا کہ اگر کسی مرد حق کو دیکھنا ہو تو حسن کو دیکھ آپ کی مجلس میں سوائے آخرت کے کسی دوسری بات کا تذکرہ نہ ہوتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصرہ میں آئے۔ تمام ممبر تڑوا دیئے اور واعظ کہنے سے واعظین کو منع کر دیا۔ مگر آپ کا ممبر بدستور رکھا۔ اور واعظ کہنے سے منع نہ فرمایا۔ بلکہ باطنی طہارت کا طریقہ سکھا کر خرقہ خلافت پہنایا آپ بعدازاں حضرت امام حسنؓ اور کمیل بن زیاد کی صحبت میں اکثر اپنا وقت گزارنے لگے۔ آپ نے سات حج حضرت علی کرم اللہ کی معیت میں کئے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب واعظ سے فارغ ہو کر ممبر سے اترتے تو چند آدمیوں کو پکڑ کر فرماتے آؤ۔ اللہ کا نور پھیلائیں۔ ایک روز احباب سے فرمایا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مثل ہو۔ یہ سن کر وہ خوش ہوئے پھر فرمایا۔ تمہارا چہرہ ان کے مشابہ ہے۔ اگر تم ان کو دیکھتے تو دیوانہ سمجھتے اور وہ تم کو دیکھتے تو ایک کو بھی مسلمان نہ کہتے۔ آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ جس کسی کو دیکھتے اپنے سے بہتر سمجھتے۔ ایک دن ایک کتے کو دیکھا۔ فرمایا کاش خداوند مجھے قیامت کے دن اس کتے کے ساتھ اٹھائے۔ کسی نے پوچھا آپ بہتر ہیں یا کتا۔ فرمایا اگر نجات پا جاؤں تو میں بہتر ورنہ کتا ہزار درجے مجھ سے بہتر ہے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ کو کہا کہ فلاں نے آپ کی غیبت کی ہے۔ آپ نے کھجوروں کا تھال بھر کر اس کے گھر بھیجا اور کہا کہ آپ نے اپنی نیکیاں میرے اعمال نامے میں درج کرا دیں۔ میں اس کا شکریہ اور ناچیز ہدیہ بھیج رہا ہوں مجھے افسوس ہے کہ آپ کی اس نیکی کا پورا پورا عوض میں ادا نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ فرمایا۔ منافق کی تین علامتیں ہیں جھوٹ بولنا۔ خیانت کرنا۔ وعدہ پورا نہ کرنا۔ اس محفل میں عطا محمد تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے۔ جو علامتیں منافق کی آپ نے بیان کی

Marfat.com

ہیں- درست نہیں- کیونکہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں یہ تینوں خصلتیں موجود تھیں- جنگل سے واپس آکر باپ کے سامنے جھوٹ بولا- یوسف کی صورت میں امانت میں خیانت کی- حفاظت کا وعدہ پورا نہ کیا- آپ نے فوراً غلطی کا اعتراف کیا- غلطی کا اعتراف کرنا سخت مشکل ہوتا ہے- جبکہ عقیدت مند بیٹھے ہوں- اس سے نفس پر بڑی زد پڑتی ہے- کاش آج کے علماء اور پیران عظام کے لئے فکر کی جائے عبداللہ بن مبارک سے کسی نے کہا کہ آپ ہم کو ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہیں- لیکن آپ کی تجارت کا سلسلہ دور تک ہے- دوسرے ممالک سے مال منگوا کر فروخت کرتے ہیں- انہوں نے جواب دیا- میں ان لوگوں کی زندگی کی تکمیل کے لئے تاجر بنا ہوں- جو حسن بصری کی قیادت میں اسلام کی نشرو اشاعت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں- اگر ان کی ضروریات کا پورا انتظام ہوتا تو میں تجارت کے جھگڑے میں نہ پڑتا- حضرت مرقد امام صاحب کے پاس تشریف لائے' گلیم پہنے ہوئے تھے- حسن بصریؒ کا حلہ چھو نے لگے- آپ نے فرمایا تمہارا لباس دوزخی ہے- اور ہمارا لباس بہشتی کپڑوں میں زہد اور سینوں میں تکبر ہے- بخدا گلیم پوشوں میں تکبر زیادہ ہوتا ہے- آپ بہت اچھا لباس پہنتے تھے- فقیری لباس کو جامہ ریا سمجھتے تھے- بغیر عمامہ کے کبھی گھر سے باہر نہ نکلتے تھے- ایک بار حج کو جا رہے تھے کہ لوگوں کو پیاس لگی- ایک کنوئیں پر پہنچے دیکھا کہ ڈول نہیں ہے- فرمایا جاب میں نماز میں مشغول ہو جاؤں تو تم پانی پی لینا- جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے- پانی منڈیر تک آگیا- سب نے سیر ہو کر پیا- ایک نے اپنا کوزہ بھی بھر لیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو پانی نیچے چلا گیا- آپ نے فرمایا افسوس تم نے اللہ پر توکل نہ کیا-

ایک آتش پرست ہمسایہ کو مسلمان کیا- یہ کہہ کر کہ تو نے ساری عمر آگ کی پوجا کی- آؤ دونوں آگ میں ہاتھ ڈالیں- باوجود آگ کا پجاری ہونے کے آگ تجھے جلا دے گی- مگر خدا کے حکم سے وہ آگ مجھے نہیں جلائے گی- آپ نے آگ میں ہاتھ ڈال دیا- کافر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا- آپ نے کابل اندقان اور زابلستان کی جنگوں میں بطور سپاہی شرکت کی- ایک دفعہ مولویوں نے پوچھا دین کی اصل کیا ہے- فرمایا پرہیزگاری اور طمع سے پرہیزگاری تباہ ہوتی ہے- لوگوں کو کہا کرتے تھے- میرا علم

Marfat.com

تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ میری بے عملی تمہارے لئے نقصان دہ نہیں۔ 89 سال کی عمر میں شب جمعہ 5 رجب کو وفات پائی۔ اور بعد نماز جمعہ ۱۱۰ھ میں دفن ہوئے۔ نماز جنازہ کے لئے تمام شہر خالی ہو گیا۔ چنانچہ جامع بصرہ میں کوئی عصر کی نماز پڑھنے والا نہ تھا۔ قبر مبارک بصرہ میں ہے۔ آپ کے خلفاء مالک بن دینار حبیب عجمی۔ عبدالواحد بن زید اور عقبہ بن الفلام ہیں۔ (ماثر العارفین۔ 57-60)

حضرت حسن بصری دربار رسالتؐ میں

حضرت حسن بصری کی والدہ حضرت ام سلمہ کی کنیز تھیں۔ والدہ کام میں ہوتیں اور حضرت حسن بصری روتے۔ تو حضرت ام سلمہ اپنا دودھ پلا دیتی تھیں' دودھ پلاتے پلاتے حضرت حسن بصری سے حضرت ام سلمہ کو ماں کی سی محبت ہو گئی تھی اور حضرت ام سلمہ حضرت حسن بصری کے لئے ماں کی طرح دست بدعا رہتی تھیں۔

ایک دفعہ حضور سرور کائناتؐ حضرت ام سلمہ کے یہاں تشریف لائے تو آپؐ نے حضرت حسن بصری کے حق میں دعا فرمائی۔

ایک دفعہ صغر سنی میں حضرت حسن بصری نے حضور پاکؐ کے پیالہ میں سے پانی پی لیا حضور پاکؐ نے پانی کم دیکھا۔ تو حضرت ام سلمہ سے پوچھا کہ پانی کس نے پیا ہے۔ حضرت ام سلمہ نے کہا حسن نے ارشاد ہوا۔ اس نے پانی نہیں پیا۔ بلکہ وہ میرے علم کے جز سے سیراب ہو گیا۔

ان حالات میں حضرت حسن بصری کو شیخ المشائخ اور شیخ اعظم ماننے میں کون انکار کر سکتا ہے۔ اس دور کا ہر مسلمان ولی اللہ تھا۔ حضرت حسن بصری ولیوں کے ولی تھے۔ اندھوں میں آنکھوں والے نہیں۔ آنکھ والوں میں تیز نظر تھے۔

طریقہ تبلیغ

جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ عروج بخشتا ہے تو اس قوم کے لوگ آپس میں عام تقسیم کر لیتے ہیں۔ کوئی حکومت سنبھالتا ہے۔ کوئی صنعت اور کوئی کھیتی باڑی۔ کوئی تجارت کرتا ہے۔ اور کوئی خلق اللہ کے تزکیہ کی خدمت اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ غرض ہر فرد جداگانہ ذریعہ سے قوم کا عروج برقرار رکھتا ہے۔ تزکیہ نفس کے لئے خدمت کرنے

Marfat.com

والوں کے ہاتھ میں بلاشبہ خلقت کی باگ دوڑ بھی رہتی تھی۔ اور حکومت کرنے والوں پر بھی وہ نگاہ رکھتے تھے۔ ریاضتوں اور مشقتوں سے وہ حضرات اول اپنے اوپر قابو پاتے تھے۔ پھر زندگی کا پاکیزہ ترین نمونہ پیش کر کے ایک طرف غیر مسلموں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے۔ عوام اور مسلمان حکام کی بے اعتدالی اور غلط روی کو حکمت و موعظت سے روکتے تھے۔ امراء حکام اور بادشاہ ان فقراء کے پاس آتے اور ان کی ہدایت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ عبدالواحد زیدؒ

خواجہ عبدالواحد زید رحمتہ اللہ صاحب کرامات و کشفیات صوفی و بزرگ تھے انہوں نے خرقہ ارادت خواجہ حسن بصریؒ سے تن کیا تھا۔

مصنف سیرت الاولیاء کے مطابق!

منقول ہے کہ ایک دن درویشوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں تشریف فرما تھی اور سب شدید بھوک سے نڈھال تھے اور کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھے۔ ان لوگوں نے حضرت خواجہ عبدالواحد زید سے درخواست کی کہ وہ حلوہ کھانا چاہتے ہیں اس دوران خواجہ صاحب نے خداوند سے اس کے لئے دعا کی۔ عین اسی وقت آسمان سے دیناروں کی بارش ہوئی اور درویشوں نے حسب ضرورت دینار لے کر حلوہ کھایا جبکہ خواجہ صاحب سے کچھ نہ کھایا۔

منقول ہے کہ آخری عمر میں خواجہ زید پر فالج نے حملہ کر دیا۔ ایک دن نماز کے وقت ان کے پاس کوئی نہ تھا کہ وضو کرائے یہاں تک کہ نماز کا وقت قضا ہونے کے قریب تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضور پروردگار میں دعا کی اسے صحت عطاء کرے تاکہ وہ وضو کر سکے بعد میں خدا کی مرضی ہے۔ چنانچہ پروردگار نے اسے صحت عطا کی جب انہوں نے وضو کر کے نماز ادا کی تو ایک بار پھر بعلم پروردگار مفلوج ہوئے۔

بہرحال وہ بلند پایہ ولی اللہ اور صوفی تھے۔ صاحب کرامات تھے اور صاحب ولایت تھے۔ وہ دیندار اور پرہیزگار شخصیت تھے۔

Marfat.com

حضرت ابو علی الفضیل ابن عیاضؒ

حضرت ابو علی الفضیل ایک خدا ترس' دیندار' نیک اور رحم دل انسان تھے اور انہوں نے خرقہ ارادت خواجہ عبدالواحد زید سے پہنا تھا' آپ نے فرمایا کہ! کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ خدا کی طرف سے فرض کردہ چیز کو پورا نہ کرے اور اس چیز سے پرہیز کرے جس چیز سے اللہ نے منع کر دیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ احکام خداوندی کی پیروی نہ کرے اور اس چیز سے پرہیز نہ کرے جس سے اسے منع کر دیا ہے۔ اور اللہ نے جو اس کا مقدر کر دیا ہے اس پر راضی رہے پھر خدا سے ڈرے جبکہ ان اعمال و عقاید کے بغیر ان کا ایمان ہرگز مکمل نہیں ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا!

جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کے غم زیادہ کر دیتا ہے اور جب خدا کسی سے ناراض ہو جاتا ہے تو اس کی دنیا کو وسیع کر دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میں دنیا سے نفرت کرتا ہوں کیوں کہ دنیا فانی ہے۔

منقول ہے کہ خواجہ فضیل بن عیاض ابتداء" رہزنی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹا۔ اس قافلے میں ایک قاری نے یہ آیت پڑھی:

ترجمہ: کیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں' اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں۔

حضرت فضیل نے اس آیت کو سن کر کہا۔ اے رب! وہ وقت آ گیا ہے۔ اس آیت کو سننے کے بعد حضرت فضیل پر رقت طاری ہوئی اور فورا" اس پیشے سے توبہ کی اور تاجروں کا سارا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا۔ پھر امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں کوفہ حاضر

Marfat.com

ہوئے اور ان کی خدمت میں رہے اور بہت اولیاء کی زیارت کی۔

ہارون الرشید کے وزیر فضیل ربیع کی روایت ہے کہ میں ہارون الرشید کے ساتھ مکہ گیا۔ جب ہم حج ادا کر چکے' تو ہارون نے پوچھا کہ یہاں مردان خدا میں سے کوئی مرد ہے کہ ہم اس کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کریں؟ کسی نے کہا عبدالرزاق صنعانیؒ ہیں۔ ہم ان کی۔ ارشاد ہوا کہ کیا جو لوگ برائیاں کرتے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں ان لوگوں کی کر دیا جائے گا جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ جب یہ آیت ہارون کے کان میں پہنچی تو اس نے اپنے وزیر سے کہا۔ اے فضیل! یہی آیت کافی ہے۔

فضیل نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا' پوچھا کون ہے؟ فضیل نے جواب دیا امیرالمومنین خواجہ فضیل نے فرمایا امیرالمومنین کو مجھ سے کیا کام اور مجھے ان سے کیا واسطہ۔ میں نے کہا کہ وہ اپنے شفاعت کے لئے آئے ہیں اور ان کی اطاعت واجب ہے۔ اس وقت آپ نے چراغ بجھا دیا اور دروازہ کھولا اور حجرے کے ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔ ہارون حجرے میں داخل ہو گئے وہ اتفاق سے اپنے وزیر کو ہاتھ کے اشارے سے بلا رہا تھا کہ اس کا ہاتھ خواجہ فضیل کے ہاتھ سے لگ گیا۔ فرمایا کیسا نرم ہاتھ ہے۔ میں نے اس سے نرم ہاتھ نہیں دیکھا ہے۔ کاش دوزخ کی آگ سے بچ جائے۔ آپ کی یہ بات سن کر ہارون کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آیا تو آپ سے درخواست کی کہ ان کو نصیحت فرمایئے۔ انہوں نے فرمایا!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے' انہوں نے رسول اکرمؐ سے درخواست کی کہ مجھے کسی صوبے کا حاکم بنا دیجئے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اے چچا! تمہارا ایک سانس خدا کی اطاعت میں بہتر ہے' مخلوق کی ایک ہزار سال کی اطاعت سے' کیونکہ امارت قیامت کے دن ندامت کا سبب ہو گی۔ ہارون نے کہا کہ اس نصیحت میں کچھ اور اضافہ فرمایئے۔ خواجہ فضیل قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ امیرالمومنین! میں ڈرتا ہوں کہ یہ تمہارا خوب صورت چہرہ دوزخ کی آگ میں گرفتار ہو' اس لئے خدا سے ڈرو اور اس کا حق اس سے بہتر طریقے پر بجا لاؤ۔ اس کے بعد ہارون نے پوچھا کہ کیا آپ پر کسی کا کچھ قرض آتا ہے؟ فرمایا' ہاں مجھ پر خدا کا قرض ہے کہ میں اس کی ادائی میں لگا ہوا ہوں۔ حق تعالٰی اس قرض کو ادا کرائے۔ اس وقت ہارون نے آپ کی

Marfat.com

خدمت میں ایک ہزار دینار کی تھیلی پیش کی۔ حضرت فضیلؒ نے کہا کہ امیرالمومنین! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ان نصیحتوں نے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ میں آپ کو نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور آپ مجھے آزمائش میں ڈال رہے ہیں۔ ہارون یہ سن کر رونے لگا اور اس نے اپنے وزیر فضیل بن ربیع سے کہا کہ بادشاہ حقیقت میں خواجہ فضیل عیاض ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خواجہ فضیل بن عیاض نے مکے ہی میں ماہ محرم 87ھ (705ء) میں وفات پائی۔ (سیرت الاولیاء۔ ص۔ 104-108)

Marfat.com

حضرت حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے تھے' صاحب ریاضت و کرامت تھے ابو محمد کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا تعلق سرزمین فارس سے ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ سود کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ بچوں نے حبیب سود خود کے نعرے لگائے آخرکار وہ تنگ آ گیا اور فیصلہ کیا کہ آج کے بعد وہ سود کا کاروبار نہیں کرے گا۔

جب گھر واپس آیا تو تمام لوگوں کا مال واپس کر کے توبہ کر لی اور خداوند کریم سے گناہ کی معافی مانگ لی۔ بعدازاں تو وہ نیک بن گیا اور ولایت کی وجہ پر پہنچ گیا۔

ایک دفعہ امام شافعی اور امام حنبل ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ حبیب بھی اس طرف آ نکلے۔ امام حنبل نے امام شافعی سے کہا کہ ان کو کوئی سوال پوچھو۔ امام شافعی نے کہا ان لوگوں کو کچھ نہ پوچھنا چاہئے۔ کیونکہ ان کے حالات دگرگوں ہوتے ہیں۔ اتنے میں قریب آ گئے۔ امام احمد نے پوچھا آپ ایسے آدمی کے حق میں کیا کہتے ہیں۔ جس کی پانچوں نمازوں میں سے صرف ایک فوت ہو جائے لیکن اسے یاد نہ ہو کہ کونسی نماز فوت ہوئی۔ ایسی حالت میں اسے کیا کرنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا اے احمد وہ ایسا غافل شخص ہو گا۔ اسے تنبیہہ کرنا چاہئے اور وہ پانچوں نمازیں قضا کرے۔ امام احمد ان کا جواب سن کر حیران رہ گئے۔ اور امام شافعی کہنے لگے کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ ایسے لوگوں سے کچھ نہ پوچھنا چاہئے۔

Marfat.com

حضرت ابو عثمان داؤد بن نصر الطائیؒ

آپ تبع تابعین میں سے تھے اور تصوف میں ان کا بہت بڑا نام ہے اور وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے بیس سال تک امام ابو حنیفہ کی خدمت کی اور ان سے بہت سے علوم میں مستفید ہوا۔

بعض فقہاء کرام اور اولیاء کرام نے ان کی کردار کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ نیک اور پاکباز انسان تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص ان کے کردار و گفتار سے متاثر ہو کر ان کے مرید بن گئے۔

حضرت معروف کرخی فرماتے ہیں کہ دنیا کو حقیر سمجھنے میں داؤد جیسا کوئی آدمی میں نے نہیں دیکھا حضرت ابوبکر عباس فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ میں آپ کے حجرے میں گیا۔ دیکھا کہ خشک ٹکڑا روٹی کا ہاتھ میں لئے رو رہے ہیں۔ میں نے سبب پوچھا فرمایا یہ ٹکڑا کھانا چاہتا ہوں لیکن معلوم نہیں حلال ہے یا حرام ہے۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید اور امام یوسف زیارت کو آئے۔ آپ نے اندر آنے کی اجازت نہ دی والدہ کی سفارش پر اجازت دی۔ خلیفہ نے اشرفیوں کی ایک تھیلی نذر کی اور کہا حلال مال ہے۔ قبول فرمایئے فرمایا مجھے حاجت نہیں۔ کسی حاجت مند کو دیجئے۔

آپ روٹی چبا کر نہ کھاتے تھے۔ بلکہ پانی میں گھول کر پی لیتے تھے۔ فرماتے جو وقت روٹی چبا کر کھانے میں صرف ہوتا ہے۔ اتنے میں قرآن شریف کی پچاس آیات ہی پڑھ لوں گا۔ ایک روز آپ نے دوائی پی ہوئی تھی کہا گیا تھوڑی دیر صحن میں ٹہل لیں تاکہ دوائی اپنا اثر کرے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ قیامت میں میں پوچھا جاؤں کہ تو نے اپنے اتنے قدم کیوں نفس کی خواہش میں زمین پر رکھے جبکہ فرمان الٰہی ہے وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون۔

Marfat.com

ایک دن ایک مرید آیا۔ اور آ کر کہا کہ فلاں صوفی صاحب پی کر بدمست پڑا ہے۔ اس کی پگڑی۔ پیراہن اور تہ بند قے آلود ہیں کتے اس کے گرد جمع ہیں۔ حضرت نے سن کر خاموشی اختیار کی اور فرمایا اے رفیق! شفیق دوست آج کے دن اسی کے لئے ہے۔ جاؤ اسے پیٹھ پر لاد کر گھر پہنچاؤ مرید سخت پریشان ہوا۔ نہ شرابی کو اٹھانا چاہتا تھا۔ نہ پیر کی حکم عدولی کرنا چاہتا تھا۔ آخر تیار ہو گیا۔ اسے کندھوں پر اٹھا کر چلا۔ راہ میں لوگوں نے آوازے کسنے شروع کئے۔ صوفیوں کو دیکھو یہ حال ہے۔ ایک بدمست ہے دوسرا اٹھائے لئے جا رہا ہے۔ بہرحال بہت تکلیف سر اٹھائی طعنے سے۔ مگر اسے ٹھکانے پر پہنچا دیا۔ ساری رات شرمساری اور فکر سے نہ سویا صبح حضرت کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا اپنے بھائی مسلمان کی آبروریزی محلے میں نہ کرو ورنہ زمانہ شہر میں تمہاری آبروریزی کرے گا۔ ایک دفعہ ایک آدمی آیا اس نے دیکھا کہ پانی کا مٹکا دھوپ میں پڑا ہے کہا سایہ میں کیوں نہیں رکھتے۔ فرمایا جب پانی رکھا گیا تھا۔ اس وقت یہاں سایہ تھا۔ اب سایہ میں رکھتے ہوئے اللہ سے شرم محسوس کرتا ہوں کہ نفس کی خاطر آسائش کروں۔ ایک دفعہ کسی نے داڑھی میں کنگھی کرنے کو کہا۔ فرمایا بے کار نہیں ہوں کہ ایسے کاموں میں وقت ضائع کروں۔

ایک دفعہ آپ سے مجاہدہ کا حال پوچھا گیا۔ فرمایا ایک رات نفس نے نوافل پڑھنے سے روکا۔ میں نے دس سال اسے کھانا نہیں دیا۔

آپ کا ایک بڑا وسیع مکان تھا۔ اس کے کئی کمرے تھے جب ایک کمرہ خراب ہو جاتا۔ دوسرے میں چلے جاتے۔ لوگوں نے کہا مرمت کیوں نہیں کراتے فرمایا خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ دنیا میں نہیں بناؤں گا غرض اس طرح سارا مکان گر گیا۔ صرف دہلیز رہ گئی وفات کے بعد وہ دہلیز بھی گر گئی۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے کہا حضرت مکان کی چھت ٹوٹ گئی ہے گر پڑے گی فرمایا بیس سال سے میں نے چھت کی طرف نگاہ ہی نہیں کی۔ لوگوں نے کہا خلقت سے کیوں نہیں ملتے فرمایا اگر اپنے آپ سے فراغت ہو تو کسی کے پاس بیٹھوں پینتالیس سال سے میں نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھوں اس واسطے کہ یہ محبت نہیں ہے کہ دوستی تو اللہ تعالا سے کروں اور دیکھوں غیر کی

Marfat.com

طرف۔

ایک دفعہ لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ نماز کو دوڑے چلے جاتے ہیں پوچھا کیا جلدی ہے کہا شہر کے دروازے پر لشکر میرا منتظر ہے یعنی قبرستان کے مردے جب تک مجھے ساتھ نہ لیں گے یہاں سے کوچ نہ ہو گا۔

آپ حضرت فضیل اور ابراہیم ادہم کے ہم عصر ہیں ان سے صحبتیں گرم رہتی تھیں۔ آپ کے خلیفہ حضرت معروف کرخی ہیں 5 رمضان 165 یا 412 کو شب بھر نماز میں مشغول رہے آخر شب سجدہ میں سر رکھا اور پھر اٹھا نہ سکے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون مزار بغداد شریف میں ہے۔

Marfat.com

خواجہ ابو اسحاق چشتی رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ شام کے رہنے والے تھے۔ یہ پہلے بزرگ ہیں کہ جن کے نام کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا ہوا ہے۔ چشت صوبہ ہرات افغانستان میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس شہر میں کچھ بزرگان دین نے روحانی تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا تھا' جس کو بعد میں بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ کہلانے لگا۔

خواجہ ابو اسحاق اپنے وطن سے چل کر بغداد آئے اور خواجہ ممشاد علو دینوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ ممشاد اپنی خانقاہ کا دروازہ عام طور پر بند رکھتے تھے۔ جب کوئی آتا تو پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم۔ پھر فرماتے' اگر مقیم ہو تو اس خانقاہ میں آ جاؤ' اگر مسافر ہو تو یہ خانقاہ تمہاری جگہ نہیں' کیونکہ جب تم چند روز یہاں رہو گے پھر تمہیں جانا چاہو گے تو مجھے تکلیف ہو گی اور مجھ میں فراق کی طاقت نہیں۔

جب خواجہ ابو اسحاق ان کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا' تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کیا' ابو اسحاق شامی۔ فرمایا:

> آج سے لوگ تمہیں ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے اور چشت اور اس کے نواح کے لوگ تم سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ شخص جو تمہارے حلقہ ارادت میں داخل ہو گا' اس کو قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے۔

اس کے بعد خواجہ ممشاد نے ان کو رشد و ہدایت کے لئے چشت روانہ کر دیا' جہاں ان کی پر خلوص جدوجہد سے عظیم سلسلے سلسلہ چشتیہ کی بنیاد پڑی۔

خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ فاقے کی زندگی بسر کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ ایک دن اپنے مرید خواجہ ابو احمد چشتی سے کہا:

Marfat.com

اے ابو احمد درویشی عرب و عجم کی بادشاہی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر ابو اسحاق کو ملک سلیمان بھی دیں تو خدا کی قسم وہ قبول نہیں کرے گا۔ (تاریخ مشائخ چشت۔ ص۔ 135_137)

مؤرخین نے خواجہ ابو اسحاق چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اور ان کے حالات زندگی کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ بعض مصنفین نے اس کے کرامات اور طریقہ زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہایت بلند پایہ صوفی بزرگ اور صاحب کرامات تھے۔ اگرچہ ان کے حالات زندگی اور کرامات پر یہاں تفصیل سے لکھنا از حد ضروری تھا لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے ایسا کرنا محال ہے۔ تاہم ابتدائی طور پر ان کے حالات زندگی کو مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ چشتی سلسلے سے وابستہ علماء دین اور دانشوروں میں قصور شہر سے تعلق رکھنے والے سردار قیصر علی خان خویشگی اور سہیل خان خویشگی وغیرہ شامل ہیں۔ سہیل خان خویشگی اور سردار قیصر علی خان خویشگی اس وقت خدمت دین اور خدمت خلق میں مصروف ہیں۔

Marfat.com

حضرت خواجہ ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابراہیم ادھم ایک بلند پایہ صوفی بزرگ اور صاحب کرامات ولی تھے۔ وہ نہایت دیندار' پرہیز گار اور خدا ترس انسان تھے۔ انہوں نے بھی امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت کی اور کئی سال تک ان کی خدمت میں رہے اور امام اعظم اسے سیدنا ابراہیم ادھم کے نام سے پکارتے تھے۔ امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ ابراہیم ادھم پر خدا کی رحمت ہو وہ ہروقت عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ ابراہیم ادھم علم کی کنجی ہے اور نیک و پاکباز انسان ہے۔

نیز آپ کا قول ہے:

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کو اپنا صاحب بنا اور لوگوں کو ایک طرف چھوڑ دے۔

ترجمہ : کثرت سے باطل کی طرف دیکھنا' حق کی معرفت کو دل سے نکال دیتا ہے۔

ترجمہ : حرص اور طمع کا کم ہونا آدمی کو سچائی اور پرہیز گاری کا وارث بناتا ہے اور حرص و طمع کی بہتات' غم اور اندوہ کو بڑھاتی ہے۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ :

ترجمہ : ہم اپنے اعمال سے صرف معافی پر راضی ہوئے اور کپڑے کی طلب سے پھٹے پرانے پر اکتفا کی اور عیش باقی کے بدلے عیش فانی کو پسند کیا۔

اور یہ بھی آپ کا قول ہے :

ترجمہ : اپنی روزی طلب کر' تیرے لئے یہ ضروری نہیں کہ تو راتوں کو جاگتا رہے اور دنوں کو روزہ رکھے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے پیروکاروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اسلام کے لئے ان کی خدمات قابل فخر ہیں اور وہ ایک نیک و پرہیزگار مسلمان ولی اللہ تھے۔ جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ بادشاہ ہند ہے۔ انہوں نے ہندوستان کے طول و عرض میں جا کر تبلیغ دین کی اور لوگوں کو وحدانیت خداوندی سے روشناس کرائے۔ نیز علاوہ ازیں ان کے ہاتھ بہت سے لوگ مسلمان ہوئے اور ہزاروں افراد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آپ کی ولادت باسعادت یوم دو شنبہ بوقت صبح صادق بتاریخ 14_ رجب 537ھ قصبہ سنجر میں ہوئی جو علاقہ خراسان میں ہے۔ تاریخ وصال آپ کی 6_ رجب 633ھ ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم مبارک غیاث الدین حسنؒ تھا اور والدہ ماجدہ کا اسم مبارک ملکہ تھا۔ حضرت خواجہ غیاث الدین کا مزار مبارک عراق میں ہے۔

سبا" آپ والد کی جانب سے حسینی اور والدہ کی جانب سے حسنی تھے۔ یعنی آپ نجیب الطرفین سادات حسنی و حسینی تھے۔ گیارہ سال کی عمر میں آپ یتیم ہو گئے اور ماں باپ دونوں کا سایہ ایک ہی سال میں سر سے اٹھ گیا۔ آپ تین بھائی تھے۔ والد ماجد کے ورثہ سے ایک انگوروں کا باغ اور ایک پن چکی آپ کے حصہ میں آئی۔ مگر آپ نے یہ دونوں چیزیں راہ خدا میں دے دیں۔ ایک دفعہ ابراہیم نامی ایک مجذوب باغ کے اندر چلے آئے۔ آپ نے انہیں تعظیم سے بٹھایا۔ دست بوسی کی' اور انگوروں کے خوشے توڑ کر آگے رکھے۔ مجذوب نے اپنی جیب سے کچھ کھلی نکالی' اپنے منہ میں رکھ کر اسے چبایا اور پھر نکال کر حضرت خواجہ کے منہ میں رکھ دی۔ کھلی کا حلق میں اترنا تھا کہ آپ کا سینہ منور ہو گیا۔ اور آپ کا دل دنیا سے سرد پڑ گیا۔ دو تین دن میں آپ نے باغ اور چکی کو فروخت کر ڈالا اور جو رقم وصول ہوئی اسے درویشوں میں تقسیم کر

Marfat.com

دیا۔ ؎

اے رفیق کوئے زہد از من سرو سامان مجوئے
خاک شد در راہ خوباں ہر سر و ساماں کہ بود

بوجھ ہلکا ہوتے ہی آپ طلب الٰہی میں نکل کھڑے ہوئے۔ اول سمرقند تشریف لے گئے۔ شیخ حسام الدین بخاریؒ سے قرآن شریف حفظ کیا۔ پھر علوم ظاہری کی تحصیل فرمائی۔ بخارا میں کچھ ایام بسر کئے۔

بیعت

تحصیل علوم ظاہری سے فراغت ہوئی تو نواح نیشاپور کے قصبہ ہارون میں حضرت خواجہ عثمان ہاونی قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس وقت دیگر اولیائے کرام بھی موجود تھے۔ آپ لکھتے ہیں کہ: "جونہی بندہ نے زمین پر سر رکھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا یا دوگانہ ادا کرو۔ میں نے ادا کیا پھر فرمایا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ فرمایا سورہ البقر پڑھو۔ میں نے پڑھا' بعد میں خود کھڑے ہو کر آسمان کی طرف منہ کیا۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ: میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔ جونہی یہ فرمایا' دست مبارک میں قینچی لے کر میرے سر پر چلائی اور چارتر کی کلاہ اس عقیدت مند کے سر پر رکھی اور خاص گودڑی عطا فرمائی۔ پھر فرمایا بیٹھ جاؤ' میں بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہمارے خانوادہ میں آٹھ پہر کا مجاہدہ ہوتا ہے۔ آج کی رات اور آج کے دن مجاہدہ میں مشغول ہو جاؤ۔ آپ کے ارشاد کے مطابق میں نے ایک رات اور ایک دن گزار دی۔ اگلے دن جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ اب ایک ہزار بار سورہ اخلاص پڑھو میں نے پڑھی۔ پھر میں نے اوپر کی طرف دیکھا کہ اوپر آسمان پر عرش نظر آ رہا ہے۔

پھر فرمایا زمین کی طرف دیکھ' جب میں نے زمین کی طرف دیکھا تو فرمایا کہ کہاں تک دکھائی دیتا ہے میں نے کہا اٹھارہ ہزار مخلوقات۔ جب میں نے اتنا فرمایا تو کہا کہ جا تیرا کام ہو گیا۔ ایک اینٹ پاس پڑی تھی تو جب اسے اٹھایا گیا تو نیچے ایک سونے کی دینار پڑا تھا انہوں نے کہا اسے اٹھا کر غریبوں میں تقسیم کرو۔ پھر فرمایا کہ جا کر چند دن

Marfat.com

ہمارے خدمت کرو۔

سلطان محمود غزنوی نے جس وقت سومنات پر حملہ کیا تو حضرت خواجہ ابو محمد محترم چشتیؒ کو عالم معاملہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اشارہ ہوا کہ سلطان محمود کی مدد کرو۔ چنانچہ حضرت خواجہ ابو محمد محترم چشتیؒ ستر برس کی عمر کے باوجود درویشوں کی ایک جماعت ہمراہ لے کر سومنات تشریف لائے اور محمود غزنوی کے لشکر میں شامل ہو کر کفار کے ساتھ جہاد کیا۔ دوران جنگ ایک نازک موقع آ گیا اور غلبہ کفار کا اندیشہ پیدا ہوا۔ حضرت خواجہ ابو محمد محترمؒ نے آواز دی کہ "محمد کاکو جلد پہنچو۔" محمد کاکو آپ کے ایک خاص مرید اور خلیفہ تھے۔ جن کو آپ پیچھے شہر چشت میں چھوڑ آئے تھے۔ محمد کاکو فوراً آ پہنچے اور شریک جنگ ہوئے۔ محاربہ شدید ہوا۔ اور بالآخر لشکر اسلام کو فتح ہوئی۔ اس موقع پر چشت کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ محمد کاکو کنوئیں سے پانی بھر رہے تھے اور یک بیک ان کو جوش آ گیا۔ مست ہو گئے اور کف دہن سے جاری ہو گیا۔ اور جوش و خروش سے پانی کا ڈول در و دیوار پر زور زور سے مار رہے تھے۔ جب لوگوں نے اس کیفیت کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت میں اپنے شیخ کی طلبی پر سومنات گیا ہوا تھا اور کفار کے ساتھ محاربہ کر رہا تھا۔ اولیاء اللہ کے طے الارض اور بیک وقت کئی مقامات پر موجود اور مصروف کار ہونے کی اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے بصیرت اور فہم عرفانی کی ضرورت ہے۔

حضرت ابو محمد محترمؒ چار واسطوں سے حضرت خواجہ بزرگؒ کے پیر ہیں۔ ہندوستان کی خدمت پہلے ہی سے خواجگان چشت کے سپرد تھی۔ اور خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کو ہندوستان اپنے بزرگوں سے گویا ورثے میں ملا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی یہ پہلی عظیم الشان فتح جو سلطان محمود غزنوی کو حاصل ہوئی۔ حضرت خواجہ ابو محمد محترم چشتی کی برکت اور باطنی تصرف سے ہوئی۔ اور دوسری عظیم الشان اور فیصلہ کن فتح جو سلطان شہاب الدین غوری کو رائے پتھورا پر ہوئی وہ خواجہ بزرگ اجمیریؒ غریب نواز کی دعا اور برکت اور باطنی امداد سے ہوئی۔ اللہ نے چاہا تو مسلمانوں کی اہمیت اور غلبہ کسی نہ کسی صورت تاقیامت رہے گا۔ اگرچہ دیگر سلاسل کے مشائخ بھی ملک ہندوستان میں

Marfat.com

تشریف لاتے رہے ہیں- اور ہدایت خلق کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں- لیکن چونکہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ "سلطان الہند" ہیں' ان تمام مشائخ کا فیضان بھی حضرت خواجہ اجمیریؒ کے توسط سے ہوتا ہے- کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب روحانی طور پر ایک بزرگ کو کوئی ملک سپرد کیا جاتا ہے تو دیگر سلاسل کے بزرگ' اس بزرگ کی وساطت سے فیضان کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں علاوہ ازیں ہندوستان کی باطنی قیادت ہمیشہ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں رہتی ہے-

غوث الاعظم اور خواجہ بزرگ کی ملاقات

غوث الاعظم اور خواجہ بزرگ کے درمیان دو دفعہ ملاقات ہوئی تھی اور ایک دفعہ انہوں نے یہ دعا کیا!

این مرد مقتدائے مشائخ روزگار خواھد بود کہ بسیار مردم
از فیض او بہ مقام بالا رسیدند و مقاصد عالی یافتند

دوسری ملاقات اس وقت عمل میں آئی جب خواجہ بزرگ کی عمر 52 سال تھی- اس ملاقات میں وہ غوث الاعظم سے بہت متاثر ہوا-

Marfat.com

حضرت خواجہ شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ شریف زندنی ایک پاکباز، نیک اور نہایت دیندار شخصیت تھے۔ ان کی فضیلت اور اعمال کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کے پیروکار تھے۔ آپ نے خرقہ ارادت خواجہ مودود چشتیؒ سے پہنا تھا۔

منقول ہے کہ خواجہ شریف زندنی چالیس سال تک مخلوق سے گوشہ نشینی اختیار کر کے ویرانوں میں رہے۔ جنگلی درختوں کے پتے اور جنگلی میوے آپ کی غذا تھی۔ اگر کوئی آپ کی خدمت میں آتا تو آپ کا خادم اس سے کہتا کہ ہرگز آپ کے سامنے دنیا کے جھگڑے اور قصے نہ بیان کرنا، ورنہ زیارت کی سعادت سے محروم ہو جاؤ گے۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک آدمی کچھ نقد رقم بطور نذرانے کے آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا تم درویشوں سے دشمنی رکھتے ہو کہ دشمن خدا کو ساتھ لائے ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے اس سے فرمایا کہ ذرا جنگل کی طرف دیکھو۔ اس شخص نے دیکھا تو اسے نظر آیا کہ جنگل میں سونے کی ایک نہر جاری ہے۔ اس کے بعد خواجہ شریف زندنیؒ نے اس سے فرمایا کہ جس کو خزانہ غیب پر اس قدر قدرت حاصل ہو، وہ تمہارے مال کی طرف کیسے دیکھے گا۔

ایک دفعہ سلطان سنجر کو کسی نے خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ خداوند نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ دنیا میں جو کچھ نیکی اور بدی میں نے کیا وہ سامنے لایا گیا۔ پھر فرشتگان عذاب کو حکم دیا گیا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ بعد میں کسی نے کہا کہ میں نے فلاں دن خواجہ شریف کی مسجد دمشق میں قدم بوسی کی سعادت حاصل کی تھی اور اسے اس ملاقات اور قدم بوسی کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔

Marfat.com

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

حضرت خواجہ عثمان ہارونی ایک بلند پایہ عالم دین' ایک بلند پایہ بزرگ صوفی اور نیک' دیندار و پاکباز انسان تھے۔ ان کی پرہیز گاری اور نیک نامی کی وجہ سے آس پاس کے لوگ ان کی عزت کیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ شیخ الاسلام خواجہ معین الدین سنجری فرماتے تھے کہ میں ایک زمانے تک مسلسل خواجہ عثمان ہارونی کے ساتھ سفر میں تھا۔ ہم دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے۔ اتفاق سے وہاں کوئی کشتی نہ تھی۔ خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ سے فرمایا کہ آنکھیں بند کرو۔ میں نے آنکھیں بند کیں۔ آنکھ کھولی تو میں نے حضرت خواجہ عثمان کو اور خود کو دریائے دجلہ کے دوسرے کنارے پر پایا۔ میں نے حضرت خواجہ عثمان قدس اللہ سرہ العزیز سے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا؟ فرمایا کہ میں نے پانچ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھی۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک بوڑھا آپ کی خدمت میں نہایت پریشان آیا۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے اس سے پوچھا کیا حال ہے کہ تم اس قدر پریشان ہو؟ اس بوڑھے نے کہا کہ چالیس سال سے میرا ایک

عرض کیا کہ اے خداوند واحد لا شریک تم جو اپنے بندوں کو دکھاتا ہے اسے بھی دکھاؤ۔ بتایا جاتا ہے کہ اسی وقت دریائے دجلہ کی مچھلیاں ایک ایک دینار منہ میں لے کر نکلیں۔ اس کے بعد خواجہ ابو احمد چشتی نے خلیفہ کے بیٹے سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حق تعالا جل و علیٰ نے اپنے بندوں پر غیب کے خزانے کھول دیئے ہیں اور انہیں خرچ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ مجھے تمہارے اس لائے ہوئے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت خواجہ عثمان رحمتہ اللہ علیہ ایک نیک اور پرہیز گار ولی اللہ تھے اور ان کے علم سے بہت سے لوگ مستفید ہوئے۔

Marfat.com

حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ

آپ تبع تابعین رحمہ اللہ تعالیٰ میں سے ہیں طریق حق کے مردیگانہ تعلقات دنیوی سے بیگانہ ہیں۔ کنیت ابو محفوظ ہے والد کا نام فیروز ہے۔ کرخ بغداد کا ایک محلّہ ہے جہاں حضرت کی خانقاہ تھی۔

والدین عیسائی تھے اس لئے ابتداء میں آپ مذہب اسلام سے بیگانہ تھے۔ حضرت علی بن موسیٰ الرضا رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر اسلام لائے۔ ان کے نزدیک آپ بہت عزیز اور پسندیدہ تھے۔ حضرت داؤد طائی کی خدمت اقدس میں پہنچ کر ان کے مرید ہوئے ظاہری علم حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھا۔ خرقہ خلافت حبیب راعی اور امام علی بن موسیٰ سے پہنا۔

آپ نے ایک دن سری کو فرمایا اللہ کے حضور میں دعا یوں کیا کرو یا رب بحق معروف کرخی میری حاجت پوری کر حاجت فوراً" پوری ہو جایا کرے گی۔ روزہ کی حالت میں بازار میں سے گزر رہے تھے کہ ایک سقاؤ نے آواز دی جو پانی پئے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے آپ کا نفلی روزہ تھا۔ آپ نے پانی لے کر پی لیا۔ لوگوں نے کہا آپ تو روزہ سے تھے فرمایا ہاں مگر میری رغبت اس کی دعا کے ساتھ تھی۔ روزہ شکنی کا کفارہ دے دوں گا۔ جب وفات پائی تو لوگوں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا فرمایا ایک سقے کی دعا کے طفیل بخشا گیا ہوں۔

ایک شخص نے آپ سے وصیت چاہی فرمایا ڈرتے رہو کہ خدا تعالیٰ تم کو مسکینی کے لباس کے سوا کسی اور لباس میں نہ دیکھے۔

ایک دن آپ دریائے دجلہ پر جا رہے تھے۔ چند آدمی آپس میں لڑتے فساد کرتے دیکھے۔ جب دریا پر پہنچے مریدوں نے کہا حضرت ان فسادیوں کے حق میں بد دعا کیجئے تاکہ ان کی شرارت سے دوسرے لوگ بچ سکیں آپ نے کہا ہاتھ اٹھاؤ جب سب نے ہاتھ

Marfat.com

اٹھایا تو فرمایا الٰہی جس طرح تو ان لوگوں کو اس جہان میں خوش رکھتا ہے۔ عاقبت میں بھی ان کو خوش رکھ۔ مریدوں نے کہا شیخ! اس کا مطلب ہم نہیں سمجھے فرمایا صبر کرو تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ آئے اور گناہوں سے توبہ کر کے نیک بن گئے۔

ایک روز آپ کا وضو فاسد ہو گیا۔ آپ نے فوراً تیمم کر لیا۔ لوگوں نے کہا۔ وجلہ قریب ہے۔ پھر تیمم کیوں فرمایا ممکن ہے کہ مرنے سے قبل دریا تک نہ پہنچ سکوں۔ حضرت امام رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر شیعہ اور اہل سنت کا جھگڑا ہو گیا۔ اس جھگڑے میں آپ کے پہلو میں سخت چوٹ آئی جس سے آپ اور جگہ چلا جائے۔ (ماثر العارفین۔ ص۔ 56-57)

Marfat.com

حضرت جنید بغدادیؒ

سید الطائفہ حضرت جنیدؒ بغدادی کو بغداد کے مشہور قبرستان شونیزیہ میں دفن کر کے سوگواروں کا مجمع واپس ہو رہا ہے' سوگواروں میں علماء بھی ہیں اور صلحا بھی' خواص بھی ہیں اور عوام بھی' مسلمان بھی ہیں اور عیسائی بھی- ابھی تھوڑی دیر پہلے ان کے صاحبزادے نے جن کا نام قاسم ہے' نماز جنازہ پڑھائی ہے اور ہزاروں عقیدت مندوں نے' بعض لوگوں کا اندازہ ہے کہ کوئی ساٹھ ہزار کا مجمع ہے' بچشم نمناک اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے' یہ لوگ اب واپس لوٹ رہے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ حضرت جنیدؒ کے مکان کے قریب جو کھنڈر ہے' وہاں پہنچ گئے ہیں' کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شکستہ حال شخص کھنڈر سے باہر آ رہا ہے' مصیبت کا مارا ہوا یہ شخص جسے مجمع کے کچھ لوگ مجذوب سمجھتے ہیں' سامنے آ گیا ہے اور ایک اونچے مقام پر چڑھ رہا ہے' سب کی نظریں اس کی طرف لگی ہیں' ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کون ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے- یکایک وہ رک گیا ہے اور ابو محمد حریریؒ کی طرف رخ کر کے کہہ رہا ہے: اے ابو محمد! تمہارا خیال ہے کہ شاید میں اس کھنڈر کی طرف لوٹ جاؤں' نہیں اب یہ ممکن نہیں' میرا سردار مجھ سے دور چلا گیا ہے- ارے' یہ کیا' اس کی آنکھوں سے تو آنسو جاری ہو گئے اور یہ شعر پڑھ رہا ہے-

افسوس اور غم ہے ان لوگوں کی جدائی کا جو ضلالت کی تاریکیوں میں ہدایت کے روشن چراغ اور اہل ایمان کے لئے مضبوط اور مستحکم پناہ گاہیں تھے- وہ زندہ تھے تو ان کے دم سے علم و معرفت کی بستیاں آباد تھیں' ان کی ذات کے طفیل رحمتوں کی بارش تھی- وہ عزیمت و استقامت کے پہاڑ تھے' امن و سکون اور خیر و خوبی کے پیکر تھے- جب تک موت (کے بے رحم ہاتھوں) نے انہیں ہم سے چھین نہیں لیا' ہمارے شب و روز اچھے گزرتے رہے' (تو ہماری دنیا ہی بدل گئی ہے) اب ہمارے قلوب جلتے ہوئے

Marfat.com

انگارے اور ہماری آنکھیں بہتی ہوئی نہریں ہیں۔

لسان التصوف حضرت جنیدؒ بغدادی کے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے مکان پر بڑے بڑے مشائخ جمع ہیں، علوم و معارف کے مختلف مباحث پر گفتگو ہو رہی ہے، اسی میں شکر کے موضوع پر بھی اظہار خیال ہونے لگا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی یہ گتھی سلجھ نہیں سکی ہے کہ شکر در حقیقت ہے کیا؟ گفتگو میں گرمی پیدا ہو گئی ہے اور مشائخ باری باری اپنی بات پر زور لہجے میں کہہ رہے ہیں۔ حضرت سری جنیدؒ کو جن کی عمر اس وقت سات برس ہے، قریب میں کھیلتے ہوئے دیکھتے ہیں، وہ پیار سے انہیں اپنے پاس بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں: بیٹے تم بھی بتاؤ کہ شکر الٰہی کیا چیز ہے؟

آپ تبع تابعین رحمہ اللہ تعالیٰ میں سے ہیں طریقت میں شیخ المشائخ اور شریعت میں امام آئمہ ہیں۔ آپ کا نام نامی عبدالجبار جنید کنیت ابوالقاسم اور لقب زجاجی و خراز ہے۔ زجاجی اس وجہ سے کہتے تھے کہ آپ کے والد ماجد شیشہ موتی کا کاروبار کرتے تھے۔ خراز اس لئے کہ آپ موزہ دوزی کا کام کرتے تھے۔ آپ دراصل نہاوند کے باشندہ تھے۔ پیدا بغداد میں ہوئے۔ فنون سپاہ گری میں یکتا۔ اور پہلوانی میں نامور عصر تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے خلیفہ سے آکر کہا کہ میں تمہارے بڑے پہلوان سے کشتی لڑوں گا خلیفہ نے کہا ہمارا پہلوان بڑا زبردست ہے تم پتلے دبلے کیا لڑو گے۔ مگر اس شخص نے اصرار کیا۔ آخر دنگل ہوا۔ جب جنید خم ٹھو کر سامنے ہوئے اور پکڑ ہوئی تو اس شخص نے چپکے کان میں کہہ دیا۔ میں سید ہوں محتاج ہوں آئندہ تم کو اختیار ہے۔ جنید لڑتے لڑتے گر پڑے بڑا شور و غل ہوا۔ خلیفہ نہ مانا۔ دوبارہ کشتی ہوئی پچھڑ گئے۔ سہ بار ہوئی پھر چاروں شانے چت گر پڑے۔ خلیفہ نے اس کو انعام دیا۔ اور جنید کو بلا کر پوچھا حقیقت کیا ہے آپ نے اصل حال بیان کر دیا۔ بادشاہ بڑا متعجب ہوا کہ مجمع عام میں اپنی ذلت اور سید کی عزت گوارا کی۔ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے۔ فرمایا تم نے ہماری اولاد سے خاص سلوک کیا۔ ہم تیرے ساتھ خاص سلوک کریں گے۔ صبح ملازمت ترک کی اور فقراء کی حالت میں پھرنے لگے۔ سری سقطی۔ حارث محاسی اور محمد قصاب کی صحبت اختیار کی۔

آپ اہل ظاہر اور ارباب باطن میں یکساں طور پر مقبول ہیں۔ علوم و فنون میں

Marfat.com

کامل فروع و اصول اور معاملات دین میں مفتی اور امام ہو گئے۔ آپ امام ثوری رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہوئے ہیں۔ کسی کو آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔ سنت کے زبردست پابند تھے۔ تصوف کے تمام مسائل کی بنیاد سنت پر قائم کی۔ اور سب سے پہلے مسائل تصوف کو ترتیب دیا۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے ہمارا علم حدیث سے ملا ہوا اور گھٹا ہوا ہے۔

ایک دن لڑکپن میں جنید بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ سقی نے کہا اے لڑکے! شکر کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ جنید نے جواب دیا۔ شکر یہ ہے کہ خدا داد نعمت کے ساتھ اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ اور نعمتوں کو گناہ کا ذریعہ نہ بنایا جائے سقطی نے کہا کہ میں اس سے بہت ڈرتا ہوں کہ تیرا حصہ بھی تیری زبان سے ہو۔ جنید کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس بات سے ڈرتا رہتا ایک دن ان کے پاس آیا۔ ان کی ضرورت کی شے ان کے پاس لے گیا۔ انہوں نے کہا تم کو خوشخبری ہو۔ حق تعالیٰ سے میں نے درخواست کی تھی کہ اس کو کسی توفیق یافتہ کی معرفت مجھ تک پہنچا دے۔ چنانچہ آپ سری سقطی کے مرید ہو گئے۔ 20 سال تک کسی سے گفتگو نہیں کی۔ آپ کو معلوم نہ ہوتا کہ کونسا دن اور مہینہ ہے۔ عالم تحیر میں کئی کئی دن کھڑے رہتے۔ پاؤں پھوٹ کر خون نکل آتا۔

حضرت سری سقطی کی زندگی میں مریدوں نے جنید سے کہا واعظ کہا کرو جس سے ہمارے دلوں کو تسکین ہو۔ آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا جب تک میرے شیخ موجود ہیں۔ میں کوئی نصیحت نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ ایک جمعہ کی رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضورؐ نے فرمایا جنید لوگوں کو وعظ سنایا کرو۔ دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ میرا درجہ شاید سریؒ سے بڑھ گیا ہے۔ تب ہی تو حضورؐ نے مجھے وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سری نے ایک آدمی بھیجا کہ جب جنید نماز ادا کر چکے تو اسے کہو مریدوں کے کہنے سے تو نے انہیں نصیحت نہ کی مشائخ بغداد کی سفارش بھی تم نے رد کی۔ میں نے کہا تب بھی تم نے وعظ کا سلسلہ جاری نہ کیا۔ اب حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ان کے حکم کی تعمیل تو ضرور کرنی چاہئے چنانچہ اس سے جو وسوسہ دل میں آیا تھا نکل گیا۔ اور جان لیا کہ سری میرے شیخ تمام احوال

Marfat.com

میں میرے ظاہر اور باطن سے باخبر ہیں اور آپ کا درجہ میرے درجے سے بلند تر ہے کیونکہ آپ میرے اسرار سے واقف ہیں۔ اور میں آپ کے احوال سے ناواقف ہوں۔ چنانچہ فوراً" شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خیال سے استغفار کی۔ پھر پوچھا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا ہے آپ نے فرمایا میں نے اللہ تعالٰی کو خواب میں دیکھا کہ مجھے ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے کہ جنید کو ارشاد فرمائیں کہ لوگوں کو نصیحت کرے تاکہ اہل بغداد کی مراد بر آئے۔ (اس حکایت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مرشد جس حال میں ہوں اپنے مریدوں کے حال سے واقف ہوتے ہیں) چنانچہ جنید نے اس دن سے وعظ کہنا شروع کر دیا۔

ایک دن ایک آدمی مسجد میں آپ کے پاس آیا اور کہا آپ کا وعظ شہر میں ہی کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی۔ آپ نے حال پوچھا اس نے کہا چند آدمی فلاں مقام پر جنگل میں راگ و رنگ اور شراب میں سرمست ہیں۔ آپ اسی وقت اٹھ بیٹھے منہ لپیٹ لیا۔ اور جنگل میں ان کے قریب جا پہنچے وہ دیکھ کر بھاگنے لگے۔ فرمایا بھاگو مت میں تمہارا ہم مشرب ہوں اور اسی لئے آیا ہوں۔ وہ لوگ جمع ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا یارو! ہمارے لئے بھی لاؤ۔ شہر میں تو پی نہیں سکتے۔ آج تمہارا حال سن کر پوشیدہ طور پر یہاں آ گیا ہوں۔ انہوں نے کہا حضرت اگر ہم کو یہ معلوم ہوتا۔ تو ہم ہمیشہ آپ کو پلایا کرتے افسوس اس وقت شراب نہیں ہے حکم ہو تو شہر سے منگائی جائے۔ آپ نے کہا یارو! تم کو کوئی ایسی بات نہیں آتی کہ شراب خود بخود آ جایا کرے انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا آؤ آج تم کو ایسی بات سکھا دوں کہ شراب خود بخود آ جایا کرے۔ وہ خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا پہلے نہاؤ پھر کپڑے بدلو پھر میرے پاس آؤ سب نے غسل کیا۔ اور کپڑے بدل کر آ موجود ہوئے فرمایا سب دو رکعت نماز پڑھو۔ جب وہ نماز میں مشغول ہوئے۔ تو آپ نے دعا مانگی خدایا میرا تو اتنا ہی اختیار تھا کہ تیرے حضور میں ان کو کھڑا کر دیا۔

ایک شخص نے آپ کی دعوت کی۔ اور گھر لے گیا۔ گھر جا کر سخت توہین کی کہ روٹی کھانے آ گیا ہے۔ اور واپس لوٹا دیا۔ جب آپ اپنی جگہ پر آئے۔ تو وہ شخص پھر آ

Marfat.com

گیا اور کہا غلطی ہو گئی ہے۔ آیئے کھانا کھا لیجئے۔ حضرت ساتھ ہو لئے گھر پر آ کر دوبارہ توہین کی اور کہا ذرا بھی عقل و شعور نہیں عزت نفس کا احساس مفقود ہے۔ ابھی ذلیل کر کے تمہیں نکالا تھا۔ اور میرا اشارہ پاتے ہی پھر آ گیا ہے۔ حضرت نے کہا غلطی ہوئی۔ معذرت خواہ ہوں گھر آ گئے۔ میزبان پھر آ گیا۔ اور کہنے لگا للہ آیئے۔ اور کھانا کھائیے۔ آپ پھر ساتھ ہو گئے۔ گھر جا کر سخت توہین کی۔ لیکن آپ بغیر کچھ کہے واپس آ گئے۔ مسلسل آپ کے صبر و تحمل کا امتحان لیا۔ اور بولا نفس کشی کے جس مقام پر ہیں۔ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ محبوبیت کا مقام حاصل کئے بغیر یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت نے فرمایا۔ انسانیت کا مقام بہت ارفع ہے برسوں کی ریاضت کے بعد مجھے کتے کا مقام حاصل ہوا ہے۔ کتے کی خصلت ہے کہ اسے ٹکڑا دکھایا جائے۔ آ جاتا ہے۔ دھتکار دیا جائے چلا جاتا ہے اپنے اندر صفات حسنہ پیدا کرنے کے لئے بڑے مجاہدے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

حضرت جنیدؒ کا تصوف

یہاں اس کا موقع نہیں ہے کہ یہ بحث کی جائے کہ تصوف کا ہندی، ایرانی، یونانی، عیسائی یا اسلامی پس منظر کیا ہے، تاریخ اسلام میں تصوف کی حیثیت ایک ایسے مستقل ادارے کی رہی ہے جس کے اثرات ہمہ گیر اور مختلف النوع رہے ہیں۔ آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے تک مغرب کے بعض مستند عالموں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام میں تصوف کی ابتدا محض عجمی و عیسائی اثرات کے تحت ہوئی اور ان کا یہ نظریہ خاصا مقبول بھی ہوا۔ لیکن درحقیقت صورت حال ایسی نہ تھی جیسی کہ ان لوگوں نے پیش کی تھی۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اس امر میں کسی کو شک نہیں رہا کہ اسلام میں احسان اور تزکیہ نفس کا جو قوی عنصر ہے اور جس پر خدا اور بندے کے مابین اس گہرے روحانی تعلق کی بنیاد ہے جو مذہب کا مقصود اصلی ہے، اسی پر اسلامی تصوف کی اصل عمارت قائم ہے۔ اس عمارت میں بعد میں جو توسیع ہوئی اور بعض متوسطین و متاخرین صوفیہ کے عہد میں اس میں جو نقش و نگار بنائے گئے ان میں سے بعض چیزیں اسلامی تصوف سے میل نہیں رکھتیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوف کی بنیاد قرآن کی تعلیمات، احادیث نبویؐ، صحابہؓ کی پاک زندگی اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی پاک سیرت پر ہے۔

اس سلسلے میں خود لفظ "صوفی" سے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی گئیں، لیکن اب مغرب اور مشرق دونوں جگہ اس امر پر اتفاق ہو گیا ہے کہ لفظ "صوفی" کی نسبت صوف (پشمینہ) سے ہے۔ کتاب، للمع فی التوف ابو نصر سراج (م 378ھ/988ء) کی تالیف اور اس موضوع پر قدیم ترین کتاب ہے۔ اس کتاب میں سراج نے لکھا ہے:

> "کسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ اصحاب حدیث کی نسبت حدیث سے اور فقہاء کی نسبت فقہ سے ہے، اسی طرح زہاد کی

Marfat.com

نسبت زہد سے' متوکلین کی نسبت توکل سے اور صابرین کی نسبت صبر سے ہے' لیکن صوفیہ کی نسبت کس سے ہے؟ جواب دیا گیا کہ صوفیہ کی نسبت نہ کسی علم سے ہے اور نہ کسی حال سے' وہ درحقیقت تمام علوم کے معدن اور تمام نیک اعمال و اخلاق کے مخزن ہیں۔ وہ مسلسل ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بڑھتے رہتے ہیں اور ان کی غالب خصوصیات لحہ بہ لحہ بدلتی رہتی ہیں' اس لئے انہیں ان کے احوال میں کسی ایک حال سے منسوب نہیں کیا جا سکتا..... (لفظ صوفی) کی نسبت صوف سے ہے کہ انبیاء' اولیاء اور اصفیا کا لباس تھا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص احباب کی ایک جماعت کو ان کے لباس کی طرف منسوب کیا ہے اور انہیں حواری فرمایا ہے (واذ قال الحواریون.....) اور حواری کے معنی سفید لباس والوں کے ہیں..... پوچھنے والے نے کہا کہ رسولؐ اللہ کے صحابہؓ میں کسی صوفی کا ذکر نہیں ملتا..... جواب دیا گیا کہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں اگر یہ لفظ نہیں ملتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابی سے بڑھ کر کوئی اور محترم اور معزز لفظ نہ تھا..... یہ بات کہ اہل بغداد نے اس لفظ کو اختیار کیا' غلط ہے۔ حسن بصریؒ اور سفیان ثوریؒ کے عہد میں بھی یہ لفظ رائج تھا۔ حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک صوفی کو (حرم) میں طواف کرتے دیکھا' انہوں نے اسے کوئی چیز دینی چاہی لیکن اس نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو مجھے ریاکاری کی باریکیاں نہ معلوم ہو سکتیں..... محمد بن اسحاق کی سند پر ایک کتاب میں جس میں مکہ کے حالات و اخبار مذکور ہیں' یہ کہا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی لوگ اس لفظ سے آشنا تھے اور ارباب فضل و صلاح کو اس سے نسبت دی

Marfat.com

جاتی تھی۔"

ابو نصر سراج نے لکھا ہے کہ مومنین میں ان اولوالعلم کا مرتبہ جو قائمین بالقسط ہیں' بلند و برتر ہے' اور یہی لوگ انبیاء کے جانشین ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کتاب اللہ کا سر رشتہ مضبوطی سے تھامنے والے' رسول اکرمؐ کی پیروی میں پورے طور پر کوشاں اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے نقش قدم پر چلنے والے اور اولیاء اللہ' متقین اور صالحین کی راہ اختیار کرنے والے ہیں۔ سراج نے ایسے لوگوں کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے: 1۔ اصحاب الحدیث' 2۔ فقہاء اور 3۔ صوفیہ' اس کے بعد سراج لکھتے ہیں کہ حضرات صوفیہ کے معتقدات بھی وہی ہیں جو اصحاب حدیث اور فقہاء کے ہیں۔ انہوں نے ان کے علوم کو قبول کیا اور ان کی تشریحات و مفاہیم کی مخالفت نہیں کی کیونکہ یہ بدعت اور نفسانیت ہوتی۔ طبقہ صوفیہ میں جو لوگ دین کے علم و فہم میں فقہاء اور اصحاب حدیث کے مرتبے کو نہیں پہنچے' شریعت کے احکام اور دین کے حدود کی فہم میں جب انہیں کوئی مشکل پیش آتی تو وہ فقہاء و اصحاب حدیث ہی کی طرف رجوع کرتے۔ لیکن اس اشتراک کے باوجود صوفیہ کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت' طاعت اور اخلاق جمیلہ کے سہارے درجات عالیہ اور منازل رفیعہ کو طے کرتے ہیں' یہ خصوصیت ان لوگوں میں نہیں پائی جاتی جو محض عالم' فقیہ اور اصحاب حدیث ہیں اور اس کی تفصیل طویل ہے۔

صوفیہ کی خصوصیت اور انفرادیت یہ ہے کہ وہ فرائض کی ادائیگی اور محارم سے اجتناب کے علاوہ ہر اس لایعنی چیز کو ترک اور ہر اس تعلق کو منقطع کرتے ہیں جو ان کے اور ان کے مطلوب و مقصود کے مابین حائل ہوتا ہے اور ان کا مطلوب و مقصود اللہ کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ ان کے آداب و احوال مختلف ہوتے ہیں' مثلاً ان میں قناعت ہوتی ہے اور کھانے پینے' لباس اور دنیا داری کے دوسرے معاملات میں نہایت اختصار سے کام لیتے ہیں' بس وہ اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں جتنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنی مرضی سے غنا کے بجائے فقر اختیار کرتے ہیں' جاہ و مرتبے اور قوت و اقتدار سے منہ پھیر لیتے ہیں' خلق پر شفقت کرتے ہیں' ہر چھوٹے بڑے سے تواضع و انکسار سے پیش آتے ہیں' ایثار سے کام لیتے ہیں' اپنی طاعت و عبادت میں مخلص

Marfat.com

ہوتے ہیں' نیکی اور خیر کی راہ میں تیز گام ہوتے ہیں' توجہ الی اللہ کے لئے ہمہ وقت بے چین رہتے ہیں' قضائے الٰہی پر راضی رہتے ہیں۔ مجاہدہ کی مداومت اور نفس کی مخالفت پر جمے رہتے ہیں۔

بعد میں تصوف پر جتنی معیاری کتابیں لکھی گئیں' مثلاً قوت القلوب' رسالہ قشیریہ' عوارف المعارف اور کشف المحجوب وغیرہ سبھی میں' اپنے اپنے طریقے پر' صوفیہ سے متعلق یہی باتیں ملتی ہیں' اس لئے یہ بات واضح ہے کہ صوفی کا اصل مفہوم کیا ہے۔

ایک نکتہ اور ہے جس پر صوفیہ اول روز ہی سے زور دیتے ہیں۔ سراج نے بھی اس سے بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہل ظاہر کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ ہم تو صرف شریعت ظاہرہ ہی کے علم کو جو کتاب و سنت میں ہے' مانتے ہیں اور علم باطن اور علم تصوف سمجھتے تھے۔ انہوں نے اس طبقے کی زبوں حالی پر افسوس کیا ہے اور یہی بات اس رسالے کی تالیف کا سبب بنی۔ انہوں نے 437ھ / 1045ء میں اسلامی ممالک کے صوفیہ کی جماعت کی طرف اپنا رسالہ بھیجا' اس میں انہوں نے لکھا کہ صوفیہ کی جماعت کے محققین تو بیشتر ختم ہو چکے ہیں اور طریقت میں خلا پیدا ہو گیا ہے' بلکہ درحقیقت طریقت مٹ چکی ہے۔ لوگوں کے دلوں سے شریعت کا احترام اٹھ گیا اور دین سے ان کی لاپروائی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ حلال و حرام میں تمیز کرنا چھوڑ دیا اور شریعت کی بے حرمتی اور بے حیائی کو اپنا شعار بنا لیا۔ لوگ عبادات کو حقارت سے دیکھتے ہیں' صوم و صلوٰۃ کی اہانت کرتے ہیں' یہی نہیں بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر حقائق اور احوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ تو طوق غلامی کو اتار کر آزاد ہو چکے ہیں اور ان حقائق کو پا چکے ہیں جو واصل باللہ لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ تو مٹ چکے' جو چاہیں کریں یا نہ کریں' اللہ کا عتاب اور ملامت ان کے لئے نہیں۔ احدیت کے تمام اسرار ان پر واشگاف اور صمدیت کے تمام رموز ان پر روشن ہیں' اس لئے بشریت کے تمام احکام ان سے زائل ہو چکے ہیں کہ وہ اپنی ذات سے فنا ہو چکے۔ اب جب وہ کلام کرتے ہیں تو کوئی اور ان کی طرف سے کلام کرتا ہے اور جن امور میں وہ تصرف کرتے ہیں تو کوئی اور کرتا ہے۔

Marfat.com

حضرت جنید بغدادی کا نظریہ توحید

جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا کہ بغداد میں اس زمانے میں خاص موضوع بحث توحید تھا۔ بہت سے مجالس اور زوائے شہر بغداد میں موضوع توحید خداوندی کی بحث میں مصروف تھے تاکہ خدا کی وحدانیت کو اجاگر کیا جائے اور شرک کی نفی کی جائے۔

تصوف کی نسبت حضرت جنید بغدادی کا نظریہ توحید زیادہ واضح اور نمایاں ہے رسالہ قیشریہ میں سے حضرت جنید بغدادی کے نظریات توحید کو ضیاء الحسن فاروقی نے اس طرح نقل کیے ہیں۔

1 موحد کا خدا کی وحدانیت کی تحقیق اور کمال احدیت کی وجہ سے اسے یکتا سمجھنا توحید ہے' بایں معنی کہ وہ ایسا "واحد" ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا۔ نہ اس کی کوئی ضد ہے' نہ مثال' نہ اشباہ۔ وہ تشبیہ' کیفیت اور تصویر و تمثیل سے منزہ ہے۔ کوئی چیز اس جیسی نہیں۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔

2۔ جب اہل عقل کی عقلیں توحید سے متعلق انتہا کو پہنچ جائیں تو ان کی انتہا حیرت پر ہوتی ہے۔

3۔ توحید عارف باللہ کے دل کی کیفیت ہے جس میں تمام آثار مٹ جاتے ہیں اور اس میں لاتعداد معلومات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ویسا ہی رہتا ہے جیسا کہ ازل میں تھا۔

کسی نے حضرت جنیدؒ سے توحید خاص کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

4۔ توحید خاص یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے سامنے ایک جسم مردہ کی طرح ہو۔ اللہ تعالیٰ کے احکام' قدرت اور تدبیروں کا تصرف اس میں جاری ہو۔ اس کا سبب یہ ہو کہ وہ اپنے نفس سے فنا ہو چکا ہو۔ اسے یہ خبر ہو کہ مخلوق اسے رہی ہے اور نہ اس کی

Marfat.com

دعوت کے قبول کرنے کا خیال پیدا ہو۔ یہ فنائے نفس اس لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی قرب میں ہونے کی وجہ سے خداوند کریم کے وجود اور اس کی وحدانیت کی حقیقت کا اسے علم ہو جائے اور فنائے نفس یہ ہے کہ اس کی تمام حس و حرکت ختم ہو چکی ہو تاکہ اللہ تعالیٰ ان تمام امور میں جن کا وہ اس بندے سے طالب ہے خود ہی اس کا ضامن و کفیل ہو۔ (حضرت جنید بغدادی۔ ضیاء الحسن فاروقی۔ ص۔ 92)

رسائل جنیدؒ میں توحید کے موضوع پر کچھ ایسی باتیں بھی ملتی ہیں جو روایتی مذہب سے میل نہیں کھاتیں اور وہ ہیں بھی پیچیدہ۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ایسے خیالات کو برملا بیان نہیں کرتے تھے۔ بہت کیا تو انہوں نے اپنے مخصوص حلقے میں انہیں بیان کیا یا اپنے کسی معتمد معاصر کو خط کی صورت میں لکھا۔ وہ اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ جس مقام کا انہوں نے تجربہ کیا تھا' اس کے احوال اگر عام ہو جائیں تو کیسے کیسے خطرات اس میں ہوں گے۔

ضیاء الحسن فاروقی نے لکھا ہے کہ

اپنے ایک رسالے میں حضرت جنیدؒ لکھتے ہیں:

> "جان لو کہ توحید لوگوں کے اندر چار درجوں میں پائی جاتی ہے۔ پہلا درجہ تو عوام الناس کی توحید کا ہے۔ دوسرے درجے میں وہ توحید آتی ہے جو ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو دین کے روایتی علم سے بہرہ ور ہیں۔ تیسرے اور چوتھے درجے کی توحید کا تجربہ ان خواص کو ہوتا ہے جنہیں "معرفت" حاصل ہوتی ہے۔
>
> جہاں تک ایک عام آدمی کی توحید کا تعلق ہے' اس کا اظہار خدا کو واحد لاشریک قرار دینے' نیز بہت سے خداؤں' ساتھیوں' حریفوں' ہمسروں اور شبیہوں کا ابطال کرنے میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ "غیر خدا" طاقتوں سے امید و خوف بھی وابستہ رکھتے جاتے ہیں۔

اس طرح کی توحید اپنے اندر ضرور ایک فائدہ اور اثر رکھتی ہے کہ اس میں اقرار و حقائق ہر صورت قائم رہتا ہے۔ رہی ان لوگوں کی توحید جو علم ظاہر سے بہرور ہیں تو

Marfat.com

اس کا اظہار خدا کی وحدانیت کے اقرار نیز دوسرے خداؤں' شریکوں' حریفوں کے رود ابطال سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ جہاں تک ظاہری اعمال کا تعلق ہے ان میں ایجابی احکام کی بجا آوری کی جاتی ہے اور یہی امور سے اجتناب کیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ نتیجہ ہوتا ہے اس طبقے کی امیدوں اور خواہشوں کا' اس نوعیت کی توحید میں بھی ایک حد تک ضرور افادیت ہے اس لئے کہ اس طرح خداوند کی وحدانیت کا علی الاعلان ثبوت مہیا کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد توحید خاص کا درجہ ہے اور اس کی پہلی صورت یہ ہے کہ خداوند کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے اور ارباب و انداد اور اشیاء و اشکال کو نظر اور مشاہدے سے ساقط کیا جائے اور خدا کے حکم کو ظاہر و باطن دونوں میں نافذ کیا جائے اور خدا کے علاوہ کسی سے کسی قسم کی امید نہ رکھی جائے کیوں کہ خیر و شر اور نفع و نقصان خدا کے ہاتھ میں ہے۔

قدرت کاملہ طے کرتی ہے اس کی تدابیر اس خیالی وجود پر مختلف صورتوں میں اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسے توحید ذات حق کے بحر زخار میں پوری طرح غرق کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ خیالی وجود اپنی ذات میں بالکل فنا ہو جاتا ہے۔ پھر نہ حق تعالٰی کی ندا کا سوال باقی رہتا ہے اور نہ اس کی طرف سے اس ندا کے جواب کا۔ یہاں پہنچ کر اسے حق تعالٰی کی وحدانیت کا کامل ادراک اس کے قرب کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس حالت میں انسان کے اندر حس اور حرکت ختم ہو جاتی ہے' اس لئے کہ جو چیز حق تعالٰی نے اس سے طلب کی تھی وہ اس نے خود ہی اسے مہیا کر دی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس آخری درجے میں پہنچ کر ایک سالک اپنی اس پہلی حالت میں آ جاتا ہے جہاں کہ وہ اس دنیا میں آنے سے پیشتر تھا۔

> (اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بنا لیا۔ (اور ان سے پوچھا) : کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا: ہاں۔"

"پس کون یہاں موجود تھا' اور اپنا وجود رکھنے سے پہلے وہ کس طرح موجود تھا۔ کیا حق تعالٰی کے استفسار کا جواب کسی شخص نے دیا تھا' سوائے ان پاک و صاف' لطیف

Marfat.com

اور مقدس روحوں کے جنہیں خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور مشیت تامہ نے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ (حضرت جنید بغدادی۔ ضیاء الحسن فاروقی۔ ص۔ 93-95)

اس کے علاوہ حضرت جنید بغدادی نے دیگر رسائل و مضامین میں بھی توحید پر روشنی ڈالی ہے اور توحید کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے لکھا ہے کہ توحید کا آخری مقام وہ ہے جب انسان اپنی خواہشات ختم کر کے تابع رضائے خداوندی ہو جائے اور ان کی رضا رضائے الٰہی بن جائے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں توحید کی آخری منزل سامنے آتی ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات سرآغاز

1- تصوف اور سریت- پروفیسر لطیف اللہ- ادارۂ ثقافت اسلامی' کلب روڈ لاہور- 1996ء ص- 72' 74' 75

2- مقامات تصوف- مولانا محمد اسمعیل سنبھلی- یونیورسل بکس' اردو بازار لاہور 1982ء ص- 26' 32

3- تعلیم غوثیہ- ص- 48-47

4- تذکرہ اولیا- فریدالدین عطار- ترجمہ: مولانا زبیر افضل عثمانی' کراچی 1975ء

5- غنیتہ الطالبین- شیخ عبدالقادر جیلانی' لاہور

اس کتاب کے مصنف ایک بلند پایہ صوفی بزرگ گزرے ہیں- انہوں نے اسلام کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں ہیں- شیخ عبدالقادر جیلانی کو اسلامی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے- اسلامی دنیا میں ان کے مریدوں کی تعداد لاکھوں میں ہے-

6- سریعت و تصوف- محمد مسیح اللہ خان' 1983ء ملتان' پاکستان

7- لسانی فلسفہ اور فکشن کی شعریات- یونس خان ایڈووکیٹ- دارالشعور اردو بازار لاہور' 2001ء

8- آداب مریدین- ضیاء الدین ابونجیب عبدالقادر سہروردی- ترجمہ: محمد عبدالباسط المعارف گنج بخش روڈ' لاہور 1999ء

9- تاریخ تصوف در اسلام- ڈاکٹر قاسم غنی' تہران' ایران-

10- تصورات اقبال- سید اسعد گیلانی مرحوم- فیروز سنز لاہور 1991ء

11- مولانا رومی کا نظریہ عشق- اندریوھاروی- ترجمہ: موسیٰ خان جلالزئی- علم و عرفان پبلشرز اردو بازار لاہور 1999ء

Marfat.com

کتابیات ابواب متعلقہ

پہلا باب

1- مقامات تصوف- مولانا اسمٰعیل سنبھلی- ص 28، 31، 35

2- شریعت و تصوف- مولانا شاہ محمد مسیح اللہ- ص- 93

3- تصوف اور سریت- پروفیسر لطیف اللہ- ص- 78، 80

4- ایضاً 79، 25

5- ایضاً 89، 90، 92، 93

6- اقبال اور مغربی مفکرین- ڈاکٹر عترت حسین- ص- 19

7- تصوف اور سریت- ص- 76-75

دوسرا باب

1- اسلامی تصوف- عروج احمد قادری- ص- 15، 16، 17، 18

2- عوارف المعارف- شہاب الدین سہروردی- ص- 632

3- اسلامی تصوف، عروج احمد قادری- ص- 22

4- ایضاً ص- 33، 35

5- تاریخ ادبیات ایران- پروفیسر براؤن ص-

6- فلسفہ اسلام- ص- 197، 202

7- تصوف اور اہل تصوف- ص- 969-966

8- ایضاً- ص- 286، 292

9- صوفیائے کرام- ڈاکٹر نکلسن (انگریزی) ص- 17

10- فلسفہ اسلام- ص- 210، 217

Marfat.com

11- انسان کامل- سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی- ص- 100، 103، 106
12- ایضاً- ص- 111-112
13- القول جمیل فی بیان سبیل- شاہ ولی اللہ دھلوی- ص- 45، 53

تیسرا باب

1- فلسفہ اسلام- ص- 222، 224
2- ایضاً- ص- 230-231
3- جہان کشا جوینی- ص- 112
4- ایضاً جلد اول- ص- 23
5- نزھت القلوب- حمد اللہ مستوفی- ص- 144
6- ہفت مقالہ- سید حسام الدین راشدی- ص- 69-70
7- دیوان فریدالدین عطار نیشاپوری- صفحات اولین و ابتدائی-

چوتھا باب

1- محی الدین ابن عربی، حیات و آثار- ڈاکٹر محسن جہانگیری- ص- 15
2- ایضاً- ص- 18-19
3- ایضاً- ص- 211، 213، 213
4- ایضاً- ص- 234-235
5- ایضاً- ص- 246
6- ایضاً- ص- 256-257
7- ایضاً- ص- 436-437

پانچواں باب

1- مولانا جلال الدین رومی، حیات و افکار- ڈاکٹر افضل اقبال- ص- 38
2- ایضاً- ص- 58، 63، 64
3- ایضاً- ص- 65-66

Marfat.com

4- تشبیہات رومی- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم- ص- 12-13

5- ہشت گفتار دربارہ مثنوی و معنوی- ڈاکٹر آفتاب اصغر- ص- 9-10

6- ایضاً- ص- 12، 13، 14

7- شعر ناب- غلام نظام الدین- ص- 12، 13، 14

8- تشبیہات رومی- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم- ص- 14، 17

9- حکمت رومی- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم- ص- 9، 10، 11

10- ایضاً- ص- 18، 19، 20

11- ایضاً- ص- 28

12- ایضاً- ص- 55

13- ایضاً- ص- 65

14- کتاب مثنوی مولانا روم، حصہ اول- ص- 15-16

چھٹا باب

1- گفتہ رومی- پروفیسر عبدالمجید یزدانی- ص- 14، 16

2- ایضاً- ص- 22

3- تشبیہات رومی- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم- ص- 19_18

4- حکمت رومی- ص- 170، 172

5- ایضاً- ص- 177

6- فیہ مافیہ- جلال الدین رومیؒ- ترجمہ عبدالرشید تبسم- ص- 35

7- ملفوضات رومی- ص- 26، 32

8- ایضاً- ص- 65

9- ایضاً- ص- 117

10- ایضاً- ص- 205

11- انتخاب غزلیات خسرو- ص- 289-287

12- شرح مثنوی مولانا روم- عبداللہ خاں عسکری- حصہ اول- ص- 42-41

Marfat.com

13- ایضاً- ص- 88-89

14- تشبیہات رومی- ص- 35

15- ایضاً- ص- 37، 39

16- ایضاً- ص- 41-42

17- ایضاً- ص- 49

18- انفاس العارفین- ص- 300

19- تشبیہات رومی- ص- 56-57

ساتواں باب

1- حیات سعدی- ص- 20

2- شعر ناب- نظام الدین- ص- 21-22

3- حیات سعدی- ص- 27-28

4- ایضاً- ص- 93

آٹھواں باب

1- جامی- علی اصغر حکمت- ص- 130، 131، 132

2- ایضاً- ص- 138-139

3- ایضاً- ص- 144-145

4- تحفتہ الاحرار- ص- 145

5- جامی- ص- 230، 131

6- ایضاً- ص- 234

نواں باب

1 اقبال، شاعر اور فلسفی- ص- 25

2- ایضاً- ص- 33، 32

3- اقبال کا فلسفہ خودی- ص- 10، 12

Marfat.com

4- ایضاً۔ ص۔ 18-19

دسواں باب

1- مثنوی رومی۔ ص۔ 19-20

2- ایضاً۔ ص۔ 419-420

3- ایضاً۔ ص۔ 33، 77

4- ایضاً۔ ص۔ 64، 29، 66، 39

5- ایضاً۔ ص۔ 578

6- ایضاً۔ ص۔ 42، 44

7- اقبال اور فارسی شعراء۔ ص۔ 107، 109

8- ایضاً۔ ص۔ 2478

9- اقبال اور رومی کی نظر میں انسان کامل کا تصور۔ ص۔ 145

10- اقبال اور فارسی شعراء۔ ص۔ 101، 102، 103

گیارہواں باب

1- ماثر العارفین۔ ص۔ 57، 60 ایضاً 56-57

2- سیرت الاولیاء۔ ص۔ 104، 108

3- تاریخ مشائخ چشت۔ ص۔ 135، 137

4- حضرت جنید بغدادی۔ ص۔ 93

5- ایضاً۔ ص۔ 94

6- ایضاً۔ ص۔ 95

7- ایضاً۔ 97

Marfat.com

حوالہ جات

1- القول الجمیل فی بیان سواء السبیل- شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ- سندھ ساگر اکیڈمی لاہور-

2- سطحات : حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ- ترجمہ- مولانا سید محمد متین ہاشمی- ادارہ ثقافت اسلامیہ- کلب روڈ لاہور- 1986ء سیر الاولیاء- سید محمد مبارک علوی کرمانی (معروف امیر خورد) ترجمہ- اعجاز الحق قدوسی- مرکزی اردو بورڈ- 299 اپر مال لاہور-

3- فلسفہ اسلام- ڈی اولیری- ترجمہ- احسان احمد- نفیس اکیڈمی کراچی-

4- تصوف اور اہل تصوف- مولانا سید احمد عروج قادری- مرتب ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی- حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور-

5- تذکرہ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی- از نور احمد خان فریدی- علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب لاہور-

6- حضرت جنید بغدادی- شخصیت و تصوف- ترتیب و تالیف مع اردو ترجمہ- معالی الھم- پبلشر کا پتہ نہیں لکھا ہے-

7- تشبیہات رومی- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم- ادارہ ثقافت اسلامیہ- کلب روڈ لاہور-

8- حافظ شیرازی- نصراللہ پور جوادی- مرکز دانشگاہ تہران' ایران-

9- منظوم ترجمہ مثنوی مولانا روم- حصہ اول- عبداللہ خان صاحب عسکری- دارالکتب نادرہ میکلوڈ روڈ لاہور-

10- مثنوی مولوی معنوی- شائع کردہ' بھارت

11- ہفت مقالہ- سید حسام الدین راشدی- انجمن ترقی اردو- کراچی- 1967ء

12- منطق الطیر- فریدالدین عطار- اردو بازار لاہور- فرحان علی بکس-

13- محی الدین ابن عربی- حیات و آثار- ڈاکٹر محسن جہانگیری- ترجمہ- احمد جاوید'

Marfat.com

سہیل عمر۔

14- مولانا رومی۔ حیات و افکار۔ ڈاکٹر افضل اقبال۔

15- ہشت گفتار درباره مثنوی معنوی۔ مصنف ڈاکٹر آفتاب اصغر۔ ایوان فارسی مزنگ لاہور۔ 1982ء

16- تشبیہات رومی۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

17- حکمت رومی۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ 1997ء

18- کتاب مثنوی مولانا روم حصہ اول۔

19- گفتہ رومی۔ پروفیسر عبدالحمید یزدانی۔ مکتبہ معین ادب اردو بازار لاہور۔ 1976ء

20- ملفوظات رومی۔ مولانا جلال الدین رومی۔ ترجمہ۔ عبدالرشید تبسم۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ لاہور۔ 2000ء

21- دیوان امیر خسرو۔ ص۔ 287-289-

22- مشرح و منظوم ترجمہ مثنوی مولانا روم۔ حصہ اول۔ حضرت عبداللہ خان عسکری۔ ص۔ 88-89-

23- مثنوی مولوی معنوی۔ ص۔ 49-

24- الفاس العارفین۔ ص۔ 300-

25- حیات سعدی۔ ص۔ 20_

26- شعر ناب۔ غلام نظام الدین مرلوی۔ ص۔ 21_22_

27- حاجی۔ اصغر علی حکمت۔ سید عارف نوشاہی۔ مرکز تحقیقات ایران و پاکستان۔ رضا پبلی کیشنز۔ لاہور۔ ص۔ 130، 131، 132، 138، 139، 142، 144، 230، 231-

28- اقبال، شاعر اور فلسفی۔ سید وقار عظیم۔ مکتبہ الفاظ علی گڑھ۔ 1982ء۔ ص۔ 25، 32، 33-

29- اقبال کا فلسفہ خودی۔ مرتب خادم علی جاوید۔ گوہر سنز اردو بازار لاہور۔ 1997ء_ ص۔ 10، 12، 18، 19-

30- مقالات جشن اقبال صدی۔ مرتبہ۔ پروفیسر محمد منور مرحوم۔ شعبہ اقبالیات۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ 1982ء

Marfat.com

31- اقبال اور فارسی شعراء- ڈاکٹر محمد ریاض- اقبال اکادمی لاہور- 1977ء- ص- 101، 102، 103، 107، 109-

32- اقبال اور رومی کی نظر میں انسان کامل کا تصور- ڈاکٹر ایرقان ترکمن- ص- 145-

33- محفل الاولیاء- شاہ مراد سہروردی- ص- 20، 24، 26-

34- شریعت و تصوف- مولانا شاہ محمد مسیح اللہ- ادارہ تالیفات اشرفیہ- ملتان- 1983ء

35- مقامات تصوف- مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی- یونیورسل بکس اردو بازار لاہور- 1982ء

36- اسلامی تصوف- سید احمد عروج قادری- یونیورسل بکس اردو بازار لاہور-

37- انسان کامل- سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی- ترجمہ- فضل میراں نفیس اکیڈمی- کراچی- 1967ء

38- مولانا رومی- حیات و افکار- ڈاکٹر افضل اقبال- ادارہ ثقافت اسلامیہ- کلب روڈ- لاہور-

39- بزم صوفیہ- سید صباح الدین عبدالرحمٰن- نفیس اکیڈمی کراچی- 1987ء

40_ رومی و اقبال در حکمت قرآن- عمران لیاقت حسین مکتبہ حامدیہ- کراچی پاکستان-

41- تصورات اقبال- سید اسعد گیلانی مرحوم- فیروز سنز لاہور- 1991ء

42- فکر اقبال کے منور گوشے- مرتبہ- سلیم اختر- سنگ میل لاہور-

43- تقدیر امم اور اقبال- ڈاکٹر محمد ریاض- سنگ میل لاہور-

44- فکر اسلامی کی تشکیل نو- پروفیسر محمد عثمان- سنگ میل لاہور-

45- ایقان اقبال- پروفیسر محمد منور- اقبال اکادمی لاہور- 1977ء

46- اقبال کا تصور دین- پروفیسر شفیق الرحمٰن ہاشمی- فیروز سنز لاہور-

47- اقبال ایک صوفی شاعر- ڈاکٹر سہیل بخاری- مکتبہ اسلوب کراچی- 1978ء

48- اقبال- مسلم فکر کا ارتقاء- عطیہ سید- سنگ میل لاہور- 1994ء

49- تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ- سید نذیر نیازی- بزم اقبال کلب روڈ لاہور- 1983ء

50- تصوف اور سریت- پروفیسر لطیف اللہ- ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور- 1996ء

Marfat.com

51- انفاس العارفین- شاہ ولی اللہؒ_ تصوف فاؤنڈیشن- 1998ء
52- مولانا رومی کا نظریہ عشق- اندریوھاروی- ترجمہ- موسیٰ خان جلال زئی- علم و عرفان پبلشرز اردو بازار لاہور-
53- تصوف اور جدید دور کا انسان- موسیٰ خان جلال زئی- دعاء پبلی کیشنز- لوئر مال لاہور-

Marfat.com

فلسفہ تصوف اسلامی

شیخ اکبر ابن عربی و مولانا جلال الدین رومی

موسیٰ خان جلال زئی

خان بک کمپنی 25-C/3 لوئر مال لاہور

Marfat.com